ریاستِ مدینہ

تاسیس وارتقاء

تالیف
پروفیسر ڈاکٹر عبدالعزیز ابراہیم العمری

دارالسلام
DARUSSALAM

ریاستِ مدینہؐ

تأسیس وارتقاء

جُملہ حقوقِ اشاعت برائے دارُالسّلام محفوظ ہیں

DARUSSALAM
دارُالسّلام
کتاب وسُنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الرّیاض: 11416 سعودی عرب

فون: 00966 1 4043432-4033962 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com

Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الرّیاض • العُلیّا۔فون: 00966 1 4614483 فیکس: 4644945 • الملز فون: 00966 1 4735220 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 00966 1 4286641 • سویلم فون/فیکس: 00966 1 2860422

جدّہ فون: 00966 2 6879254 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 00966 4 8234446,8230038 فیکس: 04 8151121

الخُبر فون: 00966 3 8692900 فیکس: 00966 3 8691551 خمیس مشیط فون/فیکس: 00966 7 2207055

ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 00966 6 3696124

امریکہ • نیویارک فون: 001 718 625 5925 • ہوسٹن: 001 713 722 0419 کینیڈا • نصیرالدین الخطاب فون: 001 416 4186619

لندن • دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ فون: 0044 20 77252246-0044 20 85394885 • دارمکہ انٹرنیشنل: 0044 0121 7739309

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 00971 6 5632623 فیکس: 5632624 فرانس فون: 0033 01 480 52928 فیکس: 0033 01 480 52997

انڈیا • دارالسلام انڈیا فون: 0091 44 45566249 موبائل: 0091 98841 12041 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 0091 22 2373 4180
• ہُدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرز فون: 0091 40 2451 4892 موبائل: 0091 98493 30850 • ایم/الیس براک انٹرپرائزز فون: 0091 44 42157847

سری لنکا • دارالکتاب فون: 0094 115 358712 • دارالایمان ٹرسٹ فون: 0094 114 2669197

پاکستان ہیڈ آفس ومرکزی شوروم

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 0092 42 373 240 34, 372 400 24, 372 324 00 فیکس: 042 373 540 72

www.darussalam.pk

اُرُدو بازار: غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 0092 42 371 200 54 فیکس: 042 373 207 03

ڈیفنس: Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 0092 42 356 926 10

گلبرگ: دُکان نمبر 2، گراؤنڈ فلور، بِگ سٹی پلازہ لبرٹی گول چکر، گلبرگ III لاہور فون: 0092 42 357 738 50

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دُوسری گلی، کراچی فون: 0092 21 343 939 36 فیکس: 0092 21 343 939 37

اسلام آباد F-8 مرکز، ایوب مارکیٹ، شاہ ویز سنٹر فون: 0092 51 228 15 13 islamabad@darussalampk.com

ملتان 995- انکم ٹیکس آفیسر کالونی، بوسن روڈ۔ملتان فون: 0092 61 622 00 24

فیصل آباد کوہ نور سٹی (پلازہ نمبر: 1، دکان نمبر: 15) جڑانوالہ روڈ، فیصل آباد فون: 0092 41 850 19 44

ریاستِ مدینہ

تاسیس وارتقاء

تالیف

پروفیسر ڈاکٹر عبدالعزیز بن ابراہیم العمری

(جامعہ امام محمد بن سعود الاسلامیہ، ریاض)

مترجم محمد عثمان منیب

دارالسلام
DARUSSALAM

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

فہرست

مقدمہ 7

دیباچہ 9

میثاقِ مدینہ اور مدنی معاشرے کی تشکیل 15

مدینہ کی ترقی اور معاشرتی صورتِ حال 18

مدینہ طیبہ کے نام کی تبدیلی 18

مسجد نبوی کی تعمیر 24

- آبادی کا توازن اور ترقی 24
- اخلاقی ترقی 27
- علمی ترقی 28
- سماجی ترقی 34
- صحت کی ترقی 41
- اقتصادی ترقی 45

◎ تجارت کی ترقی 47
ریاست کا نظم وضبط اور ذمہ داریوں کا تعین 50
عدل ومساوات 55
امن وسلامتی کے احکام 65
اخلاق وآداب کی تعمیر وترقی 76

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ وَخَاتَمِ الْمُرْسَلِينَ وَعَلٰى اٰلِهِ وَصَحْبِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلٰى يَوْمِ الدِّينِ، أَمَّا بَعْدُ:

میں نے سیرت مصطفیٰ ﷺ کا گہرائی سے مطالعہ کیا اور اس موضوع پر کئی کتابیں بھی مرتب کیں۔ انسانی خدمت، معاشرتی اصلاحات، تنظیم سازی اور عدل و مساوات آپ ﷺ کی سیرت کے نمایاں پہلو ہیں جو دوران مطالعہ میرے سامنے آئے۔ اور یہ کیسے نہ ہوتے؟! آپ ﷺ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾

’’اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو تمام جہانوں پر رحمت کرنے کے لیے ہی بھیجا ہے۔‘‘ (الأنبیآء21:107)

اس رحمت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی وساطت سے لوگوں کو اطمینان بخش زندگی نصیب ہو، معیشت کے امور آسان ہوں اور آخرت کی سعادت نصیب ہو۔

اس کتاب میں جمع کردہ جواہرات احادیث و سیرت کی کتابوں میں بکھرے ہوئے

تھے۔ جب میں سیرت کے موضوع پر اپنی تالیف ''رسول اللہ و خاتم النبیین'' مرتب کر رہا تھا تو اس دوران انھیں لکھتا رہا۔ اسی طرح کئی کانفرنسوں میں اس موضوع پر لیکچر دینے کا موقع بھی ملا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ ان بکھرے ہوئے اوراق کو یکجا کر دیا جائے۔ چنانچہ میں نے اسے ایک مستقل عنوان ''**بناء المجتمع المدنی و تنمیته فی السیرة النبویة**'' کے تحت جمع کر دیا۔ اس کتاب کو مرتب کرنے کا مقصد عصر حاضر کے اہل علم اور مختلف تہذیبوں کے رمز شناسوں کو یہ باور کرانا ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ نے ہر دور کی معاشرتی ضرورتوں کو نہ صرف پورا کر دیا ہے بلکہ ایک آزاد، باشعور، باعزت اور عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ قائم کرنے کے ایسے زریں اصول وضع فرمائے کہ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی ان کو اپنانے پر مجبور ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں باعزت طریقے سے اپنے پاس بلائے اور ہمارے معاملات میں ہماری صحیح راہ نمائی فرمائے اور محمد ﷺ کی امت کو عزت نصیب کرے۔

دیباچہ

''معاشرے'' کی کئی تشریحات ہیں۔ اس کے اصل معنی یوں ہیں:

کسی ریاست کے وہ افراد جو ایک قانون کے تحت زندگی گزارتے ہوں ''معاشرہ'' کہلاتا ہے۔ اکثر لوگ اپنے کام اور زندگی ہی کے بارے میں سوچتے ہے لیکن لوگوں کی ایک معقول تعداد ایسی بھی ہے جو معاشرے کے بارے میں فکر مند ہوتے ہیں۔ وہ اسے منظّم کرنے کے لیے مستعد و متحرک رہتے ہیں بلکہ رفاہ عامہ کے لیے اپنا مال بھی خرچ کرتے ہیں۔

لفظ''المدنی'' مدینہ سے ماخوذ ہے۔ اس سے لفظ تمدن نکلا ہے۔ اس کا مطلب تہذیب کے اسباب کو بروئے کار لانا ہے۔ مدینہ (شہر) کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ اس میں لوگ ایک نظام اور ایک آدمی کی سربراہی میں اکٹھے ہوتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ آغاز بعثت ہی سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبودیت کی نشر و اشاعت کے لیے سرگرم عمل تھے۔ آپ ایک ایسی ریاست قائم کرنے کے خواہش مند تھے جس میں مخلوق خدا کے ساتھ رحمت و شفقت والا معاملہ ہو، نظام عدل قائم ہو اور اللہ تعالیٰ کی شریعت پورے عدل و انصاف اور رحمت سے مخلوق خدا پر نافذ ہو۔ آپ ﷺ اپنی دعوت کے ابتدائی ایام ہی میں مکہ مکرمہ میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو غلبہ اسلام کی بشارت دیتے تھے کہ

بہت جلد یہ پوری دنیا میں پھیل جائے گا۔

مکہ کے گردونواح میں اس وقت کوئی قانون نہ تھا۔معاشرے کی بنیاد رواج و عادات پر تھی اور بیشتر عادات ورواج مبنی بر ظلم تھے۔کوئی سیاسی نظام تھا نہ عدل وانصاف کی کوئی عدالت۔ اسلام نے اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق کا درس دیا۔ کیونکہ یہ سراپا رحمت وعدل ہے اور مساوات کا پیغام عام کرنے کے لیے آیا ہے۔اس لیے کسی بھی مہذب معاشرے کی تمام تر خوبیاں، خواہ ان کا تعلق داخلی سیاست سے ہو یا خارجی امور سے، اس کے تمام عناصر کا اسلام نے خیال رکھا ہے اور ہر چیز میں احسان کے پہلو کو ترجیح دی ہے۔

جب رسول اکرم ﷺ نے سمجھا کہ آپ کے مجوزہ معاشرے اور ریاست کا قیام سرزمین مکہ میں ممکن نہیں تو آپ نے اس کے متبادل جگہ اور قبائل کی تلاش شروع کی جو اسلامی ریاست کے قیام کے لیے موزوں اور معاون ہوں۔ آپ ایسی جگہ کی تلاش میں تھے جہاں مسلمان پرامن ریاستِ مدینہ تشکیل دے سکیں جو صحیح معنوں میں انسانی اور ایک دوسرے سے تعاون کرنے والا ہو۔ جہاں ایسی امت پروان چڑھے جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کی شریعت سے مضبوط تعلق ہو تاکہ وہ انسانیت کی قیادت کرکے اسے سعادت اور کمال کے درجے تک پہنچا دے، نیز وہ اور دیگر مذاہب کے پیروکار جو باعزت جینا چاہیں، خودمختاری کے ساتھ رہ سکیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے رسول اکرم ﷺ اہل عرب کے سالانہ میلوں کے موقع پر مختلف قبائل سے رابطہ کرتے رہے جو اس مشن کی تکمیل میں تعاون کریں۔ آپ ﷺ ایسے معاشرے کا قیام چاہتے تھے جو منظّم ہو اور دشمن کے مقابلے میں اپنا دفاع کر سکے۔

بالآخر اللہ تعالیٰ کی خاص مدد ونصرت سے آپ کو اپنا مطلوب انصار مدینہ کی صورت میں مل گیا۔ یہ لوگ حج کے موقع پر آپ سے ملے۔ آپ کی بات سن کر اس کی تصدیق

کی۔ اور یہ پیش کش کی کہ آپ ہمارے شہر مدینہ طیبہ کو دعوتی مرکز بنائیں۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ وہ پاک صاف مسلمان معاشرے کی تشکیل اور متوقع ریاست کی تعمیر و ترقی اور نظم و ضبط کے لیے ہر قسم کا تعاون کریں گے۔

انتظامی ڈھانچے، افراد کی ذمہ داریوں اور ریاست کے اختیارات وغیرہ کے حوالے سے نبی ﷺ نے ایسے بنیادی قواعد وضوابط مقرر فرمائے جن کی روشنی میں بہترین معاشرہ اور منظّم ریاست تشکیل دی جا سکتی ہے۔

مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر ظلم ہوتا تو آپ انھیں بشارت دیتے کہ وہ وقت دور نہیں جب ظلم کے بادل چھٹ جائیں گے اور نہ صرف مکہ میں بلکہ ہر سو عدل و انصاف کا بول بالا ہو گا۔ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے مشرکین کے ظلم کی شکایت بارگاہ رسالت میں کی۔ ان ظالموں کے لیے بددعا کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«وَلَيُتِمَّنَّ اللهُ هٰذَا الْأَمْرَ حَتّٰى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلٰى حَضْرَمَوْتَ، لَا يَخَافُ إِلَّا اللهَ أَوِ الذِّئْبَ عَلٰى غَنَمِهِ»

”اور اللہ اس دین کو ضرور ایک دن تمام اور کمال تک پہنچائے گا یہاں تک کہ (اس قدر امن ہو جائے گا کہ) ایک سوار صنعا سے حضر موت تک (اکیلا) جائے گا اور راستے میں اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا۔ سوائے بھیڑیے کے کہ اس سے اپنی بکریوں کے بارے میں ڈر ہو گا۔“ (صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث:3852)

اللہ تعالیٰ نے اسلام کی مدد و نصرت اور مسلمانوں کو زمین میں اقتدار اور غلبہ عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا، یعنی وہ انھیں اس قدر قوت عطا فرمائے گا کہ وہ ایک نظم و ضبط قائم کرکے اس کے ذریعے سے استحکام حاصل کریں گے، پھر دین کو سامنے رکھتے ہوئے

قانون سازی کرکے اس کی عملی تطبیق کے لیے پالیسی وضع کر سکیں گے۔ اس وعدے کا واضح بیان درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾

”جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور خلافت دے گا، جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی، اور ان کے لیے ضرور ان کا وہ دین مضبوط کر دے گا جو اس نے ان کے لیے چنا، اور یقیناً ان کی حالتِ خوف کو بدل کر وہ ضرور انھیں امن دے گا، وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو یہی لوگ فاسق ہیں۔“ (النور24:55)

یہاں استخلاف سے مراد حکومت، نظم ونسق چلانا اور پالیسی وضع کرنا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کو کامل یقین تھا کہ اسلام کے جس سیاسی نظام کی آپ نے بنیاد رکھی ہے، بہت جلد یہ دنیا کے تمام سیاسی نظاموں پر غالب آجائے گا اور قیصر وکسریٰ جیسے تمام نظام اس کے ماتحت ہو جائیں گے۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَتَفْتَحَنَّ عِصَابَةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ، أَوْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، كَنْزَ آلِ كِسْرَى الَّذِي فِي الْأَبْيَضِ»

”مسلمانوں یا مومنوں کی ایک جماعت آلِ کسریٰ کے ان خزانوں کو ضرور فتح

کرے گی جو سفید عمارت میں ہیں۔'' (صحيح مسلم، الفتن، حديث: 2919)

غزوۂ خندق کے موقع پر دوران کھدائی ایک چٹان توڑنے میں مشکل پیش آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَللهُ أَكْبَرُ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الشَّامِ، وَاللهِ إِنِّي لَأُبْصِرُ قُصُورَهَا الْحُمْرَ مِنْ مَّكَانِي هَذَا، ثُمَّ قَالَ: «بِسْمِ اللهِ» وَضَرَبَ أُخْرَى، فَكَسَرَ ثُلُثَ الْحَجَرِ فَقَالَ: اَللهُ أَكْبَرُ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ فَارِسَ وَاللهِ إِنِّي لَأُبْصِرُ الْمَدَائِنَ وَأُبْصِرُ قَصْرَهَا الْأَبْيَضَ مِنْ مَّكَانِي هَذَا، ثُمَّ قَالَ: «بِسْمِ اللهِ» وَضَرَبَ ضَرْبَةً أُخْرَى فَقَلَعَ بَقِيَّةَ الْحَجَرِ فَقَالَ: اَللهُ أَكْبَرُ أُعْطِيتُ مَفَاتِيحَ الْيَمَنِ وَاللهِ إِنِّي لَأُبْصِرُ أَبْوَابَ صَنْعَاءَ مِنْ مَّكَانِي هَذَا»

''اللہ سب سے بڑا ہے، مجھے شام کی چابیاں دے دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اس کے سرخ محلات اپنی جائے قیام سے دیکھ رہا ہوں۔'' پھر فرمایا: ''بسم اللہ'' اور دوسری چوٹ لگائی تو پتھر کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے)۔ مجھے فارس (ایران) کی چابیاں عطا کر دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! مدائن میری آنکھوں کے سامنے ہے اور اس کا سفید محل میں اپنی اس جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔'' پھر آپ نے بسم اللہ پڑھ کر ایک اور چوٹ لگائی تو باقی ماندہ چٹان بھی اکھڑ گئی۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ اکبر، مجھے یمن کی چابیاں عنایت کر دی گئی ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اپنی اس جگہ سے صنعا کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔'' (مسند أحمد: 303/4)

رسول اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت اس نہج پر کی کہ اسلام کے فروغ اور

سلطنت اسلامیہ کی وسعت کی صورت میں انھیں سیاسی، مذہبی اور انتظامی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانا ہے۔ آپ ﷺ نے آغاز دعوت ہی سے ایک ایسے معاشرتی نظام کو قائم کیا جو عدل و مساوات کے ساتھ لوگوں کی قیادت کر سکے۔ آپ نے ایک ہی وقت میں نبوت کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ مملکت اسلامیہ کی اعلیٰ قیادت کا فریضہ بھی خود سرانجام دیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو اپنے بعد پوری دنیا کی قیادت اور توحید و عدل قائم کرنے کے لیے تیار کیا۔

میثاقِ مدینہ اور مدنی معاشرے کی تشکیل

رسول اکرم ﷺ عدل و انصاف پر مبنی انسانی معاشرہ قائم کرنے کے لیے تشریف لائے۔ آپ نے شرفِ انسانیت اور بندوں کے حقوق کا تحفظ کر کے امن و امان کی ضمانت دی۔ انسانی تقاضوں سے ہم آہنگ صحیح دین لے کر آئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾

”اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا تو وہ اس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پانیوالوں میں سے ہوگا۔“ (آلِ عمرٰن 85:3)

لوگوں کو اسلام قبول کرنے یا نہ کرنے کا مکمل اختیار دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾

”دین میں کوئی زبردستی نہیں، بلاشبہ ہدایت، گمراہی سے واضح ہو چکی ہے، پھر جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو یقیناً اس نے ایک مضبوط کڑا تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔“ (البقرۃ 256:2)

نبی ﷺ نے لوگوں کو دعوتِ اسلام دی لیکن قبول کرنے نہ کرنے میں انھیں مکمل آزادی تھی۔ آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مسلمان دیگر اقوام یہود و مشرکین کے مقابلے میں اقلیت تھے۔ اس کے باوجود آپ نے سب سے مفاہمت کی پالیسی کو فروغ دیا۔ حقوق انسانی کے تحفظ اور دفاع کی ضمانت دی۔ مدینہ طیبہ کے مسلم اور غیر مسلم افراد کے تعلقات کو منظّم و مربوط کیا اور پہلی فرصت میں اس کے لیے معاہدہ تحریر کیا۔ (السيرة النبوية لابن هشام: 501/1) اس طرح کہ مدینہ طیبہ آتے ہی یہود سے مصالحت کرکے درج ذیل شروط پر عہد نامہ لکھا:

① یہود مسلمانوں کے خلاف ان کے دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے۔

② اگر مسلمانوں پر کوئی لشکر کشی کرے تو یہود مسلمانوں کی مدد کریں گے۔ (أنساب الأشراف: 86/1)

اسی معاہدے کو میثاقِ مدینہ کہتے ہیں۔ اسے ''صحیفہ'' یا ''مشترکہ دستور'' کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ (معين السيرة، صالح الشامي، ص: 180)

یہ معاہدہ آپ نے غزوات اور سرایا سے پہلے، مدینہ آنے کے فوراً بعد تحریر کیا۔ اس کے علاوہ بھی یہود اور دیگر کفار کے ساتھ معاہدوں کا ذکر ملتا ہے جو اس معاہدے کے منافی نہیں ہے۔ بعض کتب کی روشنی میں معاہدے کے مندرجات یہ تھے:

یہ مصالحت اور اچھی ہمسائیگی پر مبنی تحریر نامہ ہے کہ

- دونوں قبائل باہم مفاہمت اور صلح کے ساتھ رہیں گے۔
- وہ ایک دوسرے کے دشمن کی مدد نہیں کریں گے۔
- وہ بیرونی دشمن کے مقابلے میں اور جو مدینہ کے امن کو تباہ کرے گا، ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

اس معاہدے کا مقصد ایک نظام کا قیام تھا جس کے سربراہ نبی اکرم ﷺ ہوں اور

تمام اہل مدینہ کی سکیورٹی اور دفاع کی ذمہ داریوں کا تعین ہو سکے۔ اس کے علاوہ دین کے حوالے سے کسی کو مجبور نہ کیا جائے۔ آپ سمجھتے تھے کہ اس وقت مدینہ کو مسلسل خطرات کے باعث مضبوط کرنا ضروری ہے کیونکہ مشرکین مکہ دھمکیوں پر دھمکیاں دیے جا رہے تھے۔

مدینہ کے شہری یا یہودی جو اس معاہدے یا کسی دوسرے معاہدے میں مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوئے انھیں اس سے اس وقت تک الگ نہیں کیا گیا جب تک وہ معاہدے کی شروط پر کاربند ہے۔ مدینہ کے ہر فرد کو عام شہری کے حقوق اور عام سماجی امن حاصل تھا۔ گویا کہ وہ سب ایک درجہ کے شہری ہیں اور سب کو مذہبی تحفظ اور آزادی حاصل تھی۔

یہ معاہدہ منصفانہ تنظیم، سماجی ذمہ داری اور منظّم طریقے سے تحریری ریفرنس کی اعلیٰ مثال ہے جس کا آج بھی حوالہ دیا جاتا ہے حالانکہ رسول اکرم ﷺ اُمی تھے۔ عصر حاضر کے کئی ترقی یافتہ ممالک میں مذہبی آزادی، امن و امان، عام شہری حقوق، سماجی ذمہ داریوں کے حوالے سے جو نظام رائج ہے، وہ نبی ﷺ کے قیام کردہ مدنی معاشرے کے نظام سے ملتا جلتا ہے۔

یہ معاہدہ ریاست مدینہ کے قیام کی اساس اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس معاہدے کی باگ ڈور رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ میں تھی۔ یہ اسلامی شریعت کے نفاذ کا سرِ آغاز تھا اور اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ قیادت کا مستحق عادل ترین شخص ہی ہوسکتا ہے۔

مدینہ کی ترقی اور معاشرتی صورتِ حال

اسلام معاشروں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور توحید کے ذریعے سے محبوب بنانے اور ان کے وقار کو بلند کرنے کے لیے آیا ہے۔ اس نے نظم وضبط کو فروغ دیا، پیداوار کو بڑھایا اور ماحول اور زمین کو فساد سے پاک کیا۔ انسان کے لیے مناسب اور موزوں آبادکاری کا اہتمام کیا۔ مدینہ طیبہ اس کا مثالی نمونہ تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اسے مختلف قوانین، پند و نصائح، انتظامی عمل اور شہری قوانین وضوابط سے اتنا خوبصورت بنادیا تھا کہ ہر شخص بڑھ چڑھ کر اس کی تعمیر وترقی میں حصہ لے رہا تھا۔ منفی پروپیگنڈہ کرنے، دوسروں پر بوجھ بننے اور سستی کے بجائے ہر شخص کارآمد بننے کا خواہش مند تھا۔ اس کا منہ بولتا ثبوت یہ ہے کہ ہجرت نبوی کے بعد مدینہ طیبہ یکسر بدل گیا اور اس نے تعمیر وترقی کی جو منازل طے کیں، وہ واضح اور نمایاں ہیں۔

آپ نے شروع میں کچھ ایسی معنوی تبدیلیاں کیں جو نہایت اہم تھیں۔

مدینہ طیبہ کے نام کی تبدیلی

اسلام سے قبل مدینہ طیبہ ''یثرب'' کے نام سے معروف تھا۔ اس لفظ میں ملامت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ قرآن مجید نے اس نام کا ذکر کیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذۡ قَالَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ يٰۤاَهۡلَ يَثۡرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمۡ فَارۡجِعُوۡا ۚ وَيَسۡتَاۡذِنُ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمُ النَّبِىَّ يَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ بُيُوۡتَنَا عَوۡرَةٌ ‌ۛؕ وَمَا هِىَ بِعَوۡرَةٍ ‌ۛۚ اِنۡ يُّرِيۡدُوۡنَ اِلَّا فِرَارًا﴾

”اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا تھا: اے اہل یثرب! (آج) تمھارے لیے (لشکر کے ساتھ) کوئی قیام گاہ نہیں، لہٰذا تم لوٹ چلو، اور ان میں سے ایک گروہ نبی سے اجازت مانگ رہا تھا، وہ کہتے تھے: بے شک ہمارے گھر تو غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے، وہ تو صرف (جنگ سے) فرار چاہتے تھے۔“ (الأحزاب 13:33)

رسول اکرم ﷺ نے اس نام کو ناپسند کیا اور بدل کر مدینہ رکھ دیا۔ (الأحاديث الواردة في فضائل المدينة، ص:301)

اس نام ہی سے تہذیب وتمدن اور استحکام نمایاں ہے۔ اسی طرح معاشرے سے متعلق نظم وضبط، عدل وانصاف اور سول سوسائٹی سے متعلق امور بھی اس نام میں پوشیدہ ہیں۔

”مدینہ“ کا لفظ قرآن مجید میں چار جگہ آیا ہے۔

◎ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِمَّنۡ حَوۡلَـكُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ مُنٰفِقُوۡنَ ‌ ۛؕ وَمِنۡ اَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ ‌ ۛؔ مَرَدُوۡا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعۡلَمُهُمۡ‌ ؕ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ‌ ؕ سَنُعَذِّبُهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ ثُمَّ يُرَدُّوۡنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيۡمٍ﴾

”اور تمھارے آس پاس جو دیہاتی ہیں ان میں سے بعض منافق ہیں، اور بعض اہلِ مدینہ بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ (اے نبی!) آپ انھیں نہیں جانتے، ہم انھیں جانتے ہیں۔ ہم جلد انھیں دوہری سزا دیں گے، پھر وہ بہت بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔“ (التوبة 101:9)

◎ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَــُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

”اہلِ مدینہ اور ان کے آس پاس رہنے والے دیہاتیوں کے لائق نہیں تھا کہ وہ (جہاد میں) رسول اللہ سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ (جائز تھا) کہ اپنی جانوں کو نبی کی جان سے زیادہ عزیز رکھیں، یہ اس لیے کہ بلاشبہ یہ وہ (لوگ) ہیں کہ انھیں اللہ کی راہ میں جو بھی پیاس اور تھکاوٹ اور بھوک (کی تکلیف) پہنچتی ہے، اور وہ جو بھی ایسی جگہ روندتے ہیں جو کافروں کو سخت ناگوار ہو، اور وہ دشمن سے جو بھی کامیابی حاصل کرتے ہیں، اس کے بدلے میں ان کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بے شک اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔“ (التوبة 120:9)

◎ ایک مقام پر فرمایا:

﴿لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا﴾

”یقیناً اگر منافقین اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے اور مدینے میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے باز نہ آئے تو ہم ضرور ہی آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے، پھر وہ آپ کے پاس اس (مدینے) میں تھوڑی مدت ہی رہ سکیں گے۔“ (الأحزاب 60:33)

◎ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۠ ﴾

”وہ کہتے ہیں: یقیناً اگر ہم لوٹ کر مدینے گئے تو زیادہ عزت والا ذلیل تر کو ضرور وہاں سے نکال دے گا، اور عزت اللہ ہی کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے، لیکن منافق (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔“ (المنافقون 63:8)

رسول اکرم ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ مدینہ طیبہ کو حرمت والا شہر قرار دیا جائے، چنانچہ آپ نے اس کی حدود مقرر فرمائیں اور اس کے لیے دعا فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَ دَعَا لِأَهْلِهَا وَ إِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ كَمَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ»

”ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرمت والا قرار دیا اور وہاں کے رہنے والوں کے لیے دعا کی اور میں مدینہ طیبہ کو اسی طرح حرمت والا قرار دیتا ہوں جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو قرار دیا تھا۔“ (صحيح مسلم، الحج، حديث: 1360)

اسی طرح یہ دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ»

”اے اللہ! جس طرح ہمیں مکہ محبوب ہے، اسی طرح یا اس سے بھی زیادہ مدینہ ہمیں محبوب بنا دے۔“ (صحيح البخاري، فضائل المدينة، حديث: 1889)

بلاشبہ کسی جگہ کی محبت اس کی حفاظت کرنے، خیال رکھنے اور وہاں اقامت اختیار کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔

اسی طرح نبی ﷺ نے مدینہ طیبہ کے ماحول اور اس کی طبعی زندگی کی حفاظت کے لیے

کئی قوانین وضع فرمائے تا کہ وہاں کے رہنے والے پرسکون زندگی گزار سکیں۔

ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَ إِنِّي أُحَرِّمُ الْمَدِينَةَ حَرَامٌ مَّا بَيْنَ حَرَّتَيْهَا وَ حِمَاهَا كُلُّهُ لَا يُخْتَلَى خَلَاهَا وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا وَلَا تُلْتَقَطُ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمَنْ أَشَارَ بِهَا، وَلَا تُقْطَعُ مِنْهَا شَجَرَةٌ إِلَّا أَنْ يَّعْلِفَ رَجُلٌ بَعِيرَهُ وَلَا يُحْمَلُ فِيهَا السِّلَاحُ لِقِتَالٍ»

”بے شک ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرمت والا قرار دیا تھا اور میں مدینہ کو حرمت والا قرار دیتا ہوں، وہ دونوں حدوں (کالے پتھروں والی زمین) کے درمیان قابل احترام ہے اور مدینہ محفوظ علاقہ ہے۔ اس کی گھاس کاٹی جائے گی، نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے گا اور نہ اس کی گری پڑی چیز اٹھائی جائے گی۔ سوائے اس کے جس نے اس کا اشارہ کیا (یا اعلان کیا)۔ اس کا کوئی درخت بھی نہ کاٹا جائے، ہاں اونٹ وغیرہ کے چارے کے لیے درخت کاٹنا جائز ہے۔ اس میں لڑائی کے لیے اسلحہ اٹھانا بھی جائز نہیں۔“ (مسند أحمد: 1/119)

ان قوانین اور احکام نے مدینہ طیبہ کے فطری ماحول کی حفاظت میں اہم کردار ادا کیا۔ رسول اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ کے شہریوں، پناہ لینے والوں اور اس کی طرف ہجرت کرنے والوں کی تعریف فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْإِيمَانَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْمَدِينَةِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا»

”ایمان مدینے کی طرف اس طرح سمٹ جائے گا جس طرح سانپ اپنے بل کی طرف اکٹھا ہوتا ہے۔“ (صحيح البخاري، فضائل المدينة، حديث: 1876)

امام مسلم رحمہ اللہ نے مدینہ طیبہ میں رہائش اختیار کرنے کے حوالے سے مستقل عنوان قائم کیا ہے۔ ”مدینہ میں رہائش اختیار کرنے کی ترغیب“ رسول اکرم ﷺ کا یہ فرمان مشہور ہے:

«وَالْمَدِينَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ»

”...... اور مدینہ ان کے لیے بہتر ہوگا، کاش انھیں علم ہوتا۔“ (صحيح البخاري، فضائل المدينة، حديث: 1875)

آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ کی برکت کے لیے کئی بار دعا فرمائی۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ، وَدَعَا لَهَا، وَحَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ كَمَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ، وَدَعَوْتُ لَهَا فِي مُدِّهَا وَصَاعِهَا، مِثْلَ مَا دَعَا إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِمَكَّةَ»

”ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو محترم ٹھہرایا اور اس کے لیے دعا کی اور میں مدینہ کو اسی طرح حرمت والا قرار دیتا ہوں جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرمت والا قرار دیا اور میں اس کے مد اور صاع کے لیے اسی طرح دعا کرتا ہوں جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لیے دعا کی۔“ (صحيح البخاري، البيوع، حديث: 2129)

اسی طرح آپ ﷺ نے یوں دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ، اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا، وَفِي مُدِّنَا، وَصَحِّحْهَا لَنَا»

”اے اللہ! مدینہ بھی ہمیں اسی طرح محبوب بنادے جس طرح ہمیں مکہ پیارا ہے یا اس سے بھی زیادہ محبوب بنادے۔ اے اللہ! ہمارے صاع اور ہمارے مد میں ہمارے لیے برکت دے اور اس کو ہمارے لیے صحت افزا مقام بنا دے۔“

(صحيح البخاري، فضائل المدينة، حديث: 1889)

مسجد نبوی کی تعمیر

رسول اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ آمد کے بعد سب سے پہلے مسجد کی جگہ کا تعین کیا۔ آپ کی اونٹنی مسجد نبوی کی جگہ پر بیٹھ گئی۔ (الطبقات لابن سعد:237/1)

ان دنوں مسلمان اسی جگہ نماز پڑھتے تھے۔ یہ جگہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے زیر پرورش دو یتیم بچوں سہیل اور سہل رضی اللہ عنہما کی ملکیت تھی جہاں انھوں نے کھجوروں کا کھلیان بنا رکھا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی وہاں بیٹھ گئی تو آپ نے فرمایا:

«هَذَا إِنْ شَاءَ اللهُ الْمَنْزِلُ»

''یہی ہماری منزل ہوگی ان شاء اللہ!'' (صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث:3906)

رسول اکرم ﷺ ایسی مسجد تعمیر کرنا چاہتے تھے جس میں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہو۔ (مساجد في السيرة النبوية، دكتور سعاد ماهر) اس کے لیے آپ نے یتیموں کا یا کسی دوسرے شخص کا مال لینا مناسب نہ سمجھا، حالانکہ آپ عمومی طور پر عطیہ قبول کر لیتے تھے۔ مسجد نبوی کے لیے آپ نے عطیہ قبول کرنے کے بجائے اپنا ذاتی مال دیا۔ آپ نے اس زمین کی قیمت لگوا کر پیسے ان یتیموں کے حوالے کر دیے۔ یہ مسجد اسلام کا پہلا وقف تھا اور وقف کرنے والے محمد مصطفیٰ ﷺ تھے۔

مسجد نبوی کی تعمیرِ نو اور توسیع غزوۂ خیبر کے بعد ہوئی (السيرة النبوية لابن كثير:345/3) اور رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں اس کی حدود معروف تھیں اور ان پر سبز رنگ میں واضح طور پر لکھ کر نشان لگائے گئے تھے۔ مسجد نبوی کی زیارت کرنے والا بآسانی ان علامات کو دیکھ اور پڑھ سکتا تھا۔

آبادی کا توازن اور ترقی: رسول اکرم ﷺ کی خواہش تھی کہ مدینہ طیبہ کی آبادی زیادہ

ہو اور اہل ایمان کے بچوں کی تعداد بھی زیادہ ہو، یہی وجہ ہے کہ ہجرت کے بعد مہاجرین کے ہاں جب پہلا بچہ ہوا تو مسلمان نہایت خوش ہوئے۔ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ جب میں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو میں امید سے تھی اور بچے کی پیدائش میں تھوڑے دن باقی تھے۔ میں قبا میں ٹھہری تو وہیں میرے بیٹے عبداللہ بن زبیر کی پیدائش ہوئی۔ میں اسے لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ڈال دیا۔ آپ نے کھجور منگوائی، اسے چبایا اور پھر عبداللہ کے منہ میں ڈال دیا۔ اس کے پیٹ میں سے سب سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک گیا۔ پھر آپ نے اس کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔ یہ (ہجرت کے بعد) پہلا بچہ تھا جو مسلمانوں میں پیدا ہوا۔ (صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث:3909)

اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف ارشادات کے ذریعے سے تاکید فرمائی کہ مسلمانوں کی اچھی تربیت کے ساتھ ساتھ ان کی آبادی بھی زیادہ ہونی چاہیے، جیسا کہ آپ کا فرمان ہے:

«تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ إِنِّي مُكَاثِرٌبِكُمُ الْأَنْبِيَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

”زیادہ محبت کرنے اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی عورتوں سے شادی کرو کیونکہ میں تمھاری کثرتِ تعداد کی بنا پر روز قیامت دوسرے انبیاء پر فخر کروں گا۔“

(مسند أحمد:3/245)

قرآن مجید نے بھی اولاد کی حفاظت کا حکم دیا ہے اور ماں باپ کے ساتھ ان کے رزق کی ذمہ داری بھی لی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوٓا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْـًٔا كَبِيرًا ۝﴾

”اور تم اپنی اولاد کو غریبی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم ہی انھیں رزق دیتے ہیں

اور تمھیں بھی، بے شک ان کا قتل کبیرہ گناہ ہے۔'' (بني إسراء يل 31:17)

اسلام میں پہلی مردم شماری خود رسول اکرم ﷺ نے کرائی۔ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اُكْتُبُوا لِي مَنْ تَلَفَّظَ بِالْإِسْلَامِ مِنَ النَّاسِ، فَكَتَبْنَا لَهُ أَلْفًا وَّخَمْسِمِائَةِ رَجُلٍ»

''جو لوگ اسلام کا کلمہ پڑھ چکے ہیں، ان کے نام لکھ کر میرے پاس لاؤ۔'' (سیدنا حذیفہ کہتے ہیں) چنانچہ ہم نے پندرہ سو مردوں کے نام لکھ کر آپ کی خدمت میں پیش کیے۔ (صحيح البخاري، الجهاد و السير، حديث:3060)

اس اہتمام کا مقصد افراد کار کی صلاحیتوں کو جاننا اور ہر فرد کو اس کی صلاحیت کے مطابق ذمہ داری سونپنا تھا۔

یہ معلوم ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی ترغیب دی لیکن اس کے ساتھ ساتھ نظم و ضبط کا بھی خیال رکھا تھا تاکہ مدینہ میں بے ہنگم ہجوم کے بجائے آبادی کا تناسب قائم رہے اور آبادی کی ترتیب و ترکیب میں خلل واقع نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بعض قبائل نے اسلام قبول کرنے کے بعد جب مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کا ارادہ کیا اور مکمل طور پر مدینہ میں رہائش اختیار کرنے کا پروگرام بنایا تو آپ نے انھیں روک دیا اور حکم دیا کہ ایک دوسرے سے دینی احکام سیکھیں اور میرے حکم کی تعمیل کے لیے تیار رہیں۔ (تاريخ المدينه، عمر بن شبه: 2/482-488) اسی طرح آپ نے فتح مکہ کے بعد ہجرت کو موقوف کر دیا۔ (المغازي، ابن أبي شيبه، ص: 347) اس کا مقصد مدینہ طیبہ اور گرد و نواح میں آبادی کے توازن کو قائم رکھنا تھا۔ (صحيح البخاري، المغازي، حديث: 4305-4309)

صرف یہی نہیں، آپ ﷺ نے مدینہ کی داخلی آبادی کے توازن کو بھی قائم رکھا۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد اس میں نماز کی فضیلت کے باعث انصار کے قبیلہ بنوسلمہ نے مسجد کے قریب رہائش اختیار کرنے کا پروگرام بنایا تو آپ ﷺ نے انھیں اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ آپ نے حکم دیا کہ وہ اپنے محلے، یعنی اطراف مدینہ میں ہی قیام پذیر رہیں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنوسلمہ نے مسجد کے قریب رہائش کرنے کا ارادہ کیا تو رسول اکرم ﷺ نے ناپسند کیا کہ مدینہ اطراف سے خالی ہو جائے، اور فرمایا:

«يَا بَنِي سَلِمَةَ، أَلَا تَحْتَسِبُونَ آثَارَكُمْ، فَأَقَامُوا»

''اے بنوسلمہ! کیا تم اپنے قدموں کے نشانات کا ثواب نہیں چاہتے؟'' تو انھوں نے وہیں اقامت اختیار کیے رکھی۔ (صحيح البخاري، فضائل المدينة، حديث: 1887)

اخلاقی ترقی: بغیر معیار اور عمدگی کے محض لوگوں کا ہجوم بے کار ہے۔ اس لیے رسول اکرم ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ ہر مسلمان بغیر تکبر کیے اپنے مقام و مرتبہ اور معیار کا احساس کرے اور اپنی عزت نفس کو ملحوظ رکھے۔ اس کے ساتھ ساتھ خشوع و خضوع، عجز و انکساری، مسلمانوں کے ساتھ نرمی اور مخلوق کے ساتھ رحمت و مودت سے پیش آئے۔ اس کے لیے تمام افراد کو اخلاق کے اعلیٰ درجے پر ہونا لازم ہے۔ اور یہ تبھی ممکن ہے جب بچپن ہی سے اس کی تربیت ہو اور بڑھتی عمر کے ساتھ اچھائی کا جذبہ اور اعلیٰ اخلاق بھی پروان چڑھے۔ اس کی ابتدا انسان کے نام سے ہوتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے عمدہ نام رکھنے کی ترغیب دلائی ہے۔ (موسوعة حقوق الإنسان في الإسلام، دكتور عدنان الوزان: 35/5)

بلکہ آپ نے کئی برے نام اور کنیت اچھے ناموں اور اچھی کنیت سے بدل دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی زندگی میں پیدا ہونے والے کئی بچوں کے نام آپ نے خود رکھے ہیں، مثلاً: عبداللہ بن زبیر، (المغازي لابن أبي شيبة، ص: 153) حسن و حسین رضی اللہ عنہم (تفصیل کے لیے دیکھیے: موضوع ''المعايشون للرسول'') اور ان کے علاوہ ہجرت کے بعد پیدا ہونے والے کئی بچوں

کے نام آپ نے رکھے۔

اسی طرح آپ نے کئی مہاجرین کے نام تبدیل کیے، مثلاً: ایک آدمی کا نام جعیل تھا، آپ نے اسے بدل کر عمرو رکھ دیا۔ (الطبقات لابن سعد: 245/4، حالات زندگی جعالی بن سراقہ ضمری) آپ ﷺ نوجوانوں اور عام لوگوں کو بلاتے ہوئے بھی وہ انداز اختیار کرتے جس میں اعلیٰ اخلاق کا درس ہوتا۔ انھیں ان کے پسندیدہ القاب اور کنیت سے پکارتے تاکہ اس کی عزت افزائی ہو۔ چھوٹے کو ''میرے پیارے بیٹے'' اور بڑے کو کنیت سے پکارتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے ایک چھوٹے بھائی کو ابوعمیر کہہ کر پکارتے۔ انفرادی اور اجتماعی طور پر آپ کا یہی انداز ہوتا۔

جہاں تک محمد ﷺ کی پوری امت کا تعلق ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہے۔'' (آلِ عمران 110/3)

اس خطاب کے بعد کیا امت میں کوئی ذلت وپستی یا بیکاری باقی رہ سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو انفرادی اور اجتماعی طور پر دوسری امتوں پر فوقیت بخشی ہے۔

علمی ترقی: نزولِ قرآن اور آپ پر نازل ہونے والی پہلی آیت ہی اسلام کی علم دوستی کی واضح دلیل ہے۔ دعوت وتبلیغ میں علم وقلم ہی اس امت کا شرف ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۗ﴾

''اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا۔ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ وہ ذات جس نے قلم کے ذریعے

سے علم سکھایا۔ اس نے انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔“ (العلق 96:1-5)
یہ تعلیم و تعلم کا حکم اس دور میں ہوا جب عرب جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ لکھنا پڑھنا شرف و فضل کی بجائے ایک عیب تھا۔ خرافات اور قصے کہانیاں اس قوم کی متاعِ کل تھی۔ شہری مراکز میں خال خال تعلیم کے چھوٹے بڑے چند سلسلے موجود تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو وہاں کے باشندوں کو بھی تعلیم حاصل کرنے اور سیکھنے سکھانے کی ترغیب دی۔ مسلمانوں کے دلوں میں علم کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدینہ طیبہ نے علم میں خوب ترقی کی اور آپ کی مجالس علم و عرفان کا مرکز بن گئیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یقیناً اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھتے تھے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَإِذَا قِيلَ انْشُزُوا فَانْشُزُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾

”اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کشادگی کرو تو تم کشادگی کرو، اللہ تمھارے لیے کشادگی کردے گا، اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو۔ تم میں سے جو ایمان لائے ہیں اور جنھیں علم دیا گیا ہے، اللہ ان کے درجات بلند کرے گا، اور اللہ اس سے خوب باخبر ہے جو تم عمل کرتے ہو۔“ (المجادلة 58:11)

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں ”کتاب العلم“ کے نام سے مستقل عنوان قائم کیا ہے اور اس کے تحت پینتیس ذیلی ابواب قائم کرکے ان میں علم سے متعلق مختلف آیات کی تفسیر اور متعدد احادیث ذکر کی ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ

رَبِّهٖ ؕ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۹﴾

’’کیا (یہ مشرک بہتر ہے یا) جو رات کی گھڑیوں میں سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے عبادت کرتا ہے، جبکہ وہ آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت کی امید بھی رکھتا ہے؟ کہہ دیجیے: کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے، برابر ہو سکتے ہیں؟ بس عقل والے ہی نصیحت پکڑتے ہیں۔‘‘ (الزمر 9:39)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الرُّوۡحِ ؕ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّىۡ وَمَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۸۵﴾

’’اور وہ (یہود) آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہیے: روح میرے رب کے حکم سے ہے، اور تمھیں تو بہت ہی تھوڑا علم دیا گیا ہے۔‘‘ (بنيٓ إسرآء يل 85:17)

نیز فرمایا:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالۡاَنۡعَامِ مُخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ غَفُوۡرٌ ﴿۲۸﴾

’’اور اسی طرح انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں میں سے بھی (ایسے ہیں کہ) ان کے رنگ مختلف ہیں، بس اللہ سے اس کے بندوں میں سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں، بلاشبہ اللہ نہایت غالب، بہت بخشنے والا ہے۔‘‘ (فاطر 28:35)

رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَسُلِّطَ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ الْحِكْمَةَ، فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا»

”حسد (رشک) صرف دو افراد پر جائز ہے۔ ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ اسے حق کی خاطر لٹاتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت سے نوازا ہو اور وہ اس کے ذریعے سے فیصلے کرتا ہے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہے۔“ (صحيح البخاري، العلم، حديث:73)

آپ ﷺ علم حاصل کرنے والے کو حکم دیتے کہ وہ دوسروں کو بھی سکھائے۔ سیدنا مالک بن حویرث جب دین کی تعلیم حاصل کر چکے تو آپ نے انھیں حکم دیا:

«اِرْجِعُوا إِلٰى أَهْلِيكُمْ فَعَلِّمُوهُمْ»

”اپنے اہل و عیال کی طرف لوٹ جاؤ اور (جو کچھ سیکھا ہے) انھیں بھی اس کی تعلیم دو۔“ (صحيح البخاري، الأدب، حديث:6008)

لکھنا پڑھنا مدینہ طیبہ میں یہودیوں کے ہاں بھی بہت اہمیت رکھتا تھا۔ وہ کتابت جانتے تھے اور اپنی اولاد کو بھی اس کی تعلیم دیتے تھے اور اس کے لیے انھوں نے باقاعدہ مدارس قائم کر رکھے تھے۔ (المدينة في العصر الجاهلي، محمد العيد الخطراوى، ص: 99)

ان کی توجہ عبرانی زبان پر تھی جسے وہ عربی رسم الخط میں لکھتے تھے۔ اوس اور خزرج کے بعض لوگوں نے بھی یہود سے لکھنا پڑھنا سیکھ رکھا تھا۔ بعد ازاں وہی انصار نبی اکرم ﷺ کے کاتب بھی مقرر ہوئے۔ (كتاب النبي، مصطفٰى الأعظمى) مسلمان ہجرت سے پہلے بھی کتابت سے آشنا تھے۔ سیدہ فاطمہ بنت خطاب اور ان کے شوہر کا خباب بن ارت کے ساتھ لکھے ہوئے اوراق سے سورۂ طٰہٰ کی تلاوت کرنا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا وہاں آنا اور پھر اسلام قبول کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مکہ مکرمہ میں لکھنے لکھانے کا طریقہ رائج تھا۔ (السيرة النبوية لابن هشام:345/1) مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کے بعد لکھنا پڑھنا کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ہدف رہا۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ کو لکھنا پڑھنا سکھاتے

تھے۔(المجتمع المدني في عهد النبوة، دكتور أكرم العمرى، ص:96) غزوۂ بدر کے موقع پر مشرکین کے کئی قیدی جن کے پاس مال نہیں تھا اور وہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے، انھوں نے عرض کیا کہ ہم اس کے بدلے میں مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کی اس پیش کش کو قبول فرمایا۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی آزادی کے لیے مدینہ کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا۔ (المجتمع المدني، دكتور أكرم العمرى) اس موقع پر انصار کے کئی بچوں نے لکھنا پڑھنا سیکھا۔ اس سے مدینہ طیبہ کی شرح خواندگی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ اور انھی کتابت سیکھنے والوں نے بعدازاں دوسروں کو تعلیم دینے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

اس کے بعد شاید قرآن و سنت کو لکھنے کے شوق نے لوگوں کو لکھنے پڑھنے کی طرف راغب کیا اور فن کتابت کے پھیلنے کا یہی بنیادی سبب بنا۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ کے کاتب جو مختلف بادشاہوں اور امراء کو خطوط لکھنے پر مامور تھے، ان کی تعداد ساٹھ کے لگ بھگ ہے۔ (كتاب النبي، مصطفىٰ أعظمى، ص:179)

شاید دوسروں کے حقوق کا تحفظ اور توثیق ہی کتابت کا وہ بنیادی سبب ہے جس وجہ سے لوگوں نے اس فن کو سیکھا۔ قرآن مجید کی طویل ترین آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم آپس میں ایک مقررہ مدت کے لیے ادھار کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمھارے درمیان انصاف

کے ساتھ تحریر کر دے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسے اللہ نے اسے سکھایا ہے۔'' (البقرة2:282)

عہدِ رسالت میں کئی ایسی خواتین کا ذکر بھی ملتا ہے جو لکھنا پڑھنا خوب جانتی تھیں اور دوسری عورتوں کو بھی انھوں نے لکھنا پڑھنا سکھایا۔ شاید یہ نبی اکرم ﷺ کی ترغیب اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھا یا کم از کم اتنا ضرور ہے کہ آپ نے اس کی اجازت ضرور مرحمت فرمائی ہے۔ حدیث میں ہے کہ قریش کے قبیلہ بنی عدی بن کعب کی ایک خاتون شفاء بنت عبداللہ اسلام قبول کرنے کے بعد ہجرت کرکے مدینہ آئیں۔ وہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھیں تو رسول اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا:

«أَلَا تُعَلِّمِينَ هَذِهِ رُقْيَةَ النَّمْلَةِ كَمَا عَلَّمْتِيهَا الْكِتَابَةَ»

''تم اسے، یعنی حفصہ کو نملہ (بچوں کی پسلیوں پر نکلنے والی پھنسیوں) کا دم کیوں نہیں سکھا دیتی ہو، جیسے کہ اسے لکھنا سکھایا ہے۔'' (سنن أبي داود، الطب، حديث:3887)

جب شفاء رضی اللہ عنہا نے ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو کتابت سکھائی تو یقیناً انھوں نے دیگر کئی خواتین کو بھی سکھائی ہوگی۔ اسی طرح عہد نبوی میں مدینہ طیبہ میں ان کے علاوہ بھی عورتوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے والی معلمات ضرور ہوں گی۔ (الحرف والصناعات في الحجاز في العصر النبوی، القراءة و الكتابة، لبعد العزيز العمرى، ص: 35) اور ہم جانتے ہیں کہ قرآن و سنت میں علم حاصل کرنے کی جو ترغیب دی گئی ہے وہ مردوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ پوری امت کے لیے ہے، اس میں ہر جنس، ہر عمر اور ہر گروہ کے افراد شامل ہیں۔ ہجرت سے پہلے اور بعد میں لکھنا پڑھنا جاننے والے افراد کا موازنہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد کس تیزی سے لکھنے پڑھنے کی شرح میں اضافہ ہوا ہے۔ اس کی

وجہ رسول اکرم ﷺ کا براہِ راست اثر و رسوخ اور احکام شریعت کا انطباق ہے کہ یہ تعداد پہلے سے چار گنا بڑھ گئی۔ اس کی اہمیت اس بات سے مزید بڑھ جاتی ہے کہ ایک طرف امّی ہونا آپ کا معجزہ ہے اور دوسری طرف علم و عرفان اسی امت کا امتیاز۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كُنتَ تَتْلُوا۟ مِن قَبْلِهِۦ مِن كِتَٰبٍ وَلَا تَخُطُّهُۥ بِيَمِينِكَ ۖ إِذًا لَّٱرْتَابَ ٱلْمُبْطِلُونَ ۝﴾

''اور آپ اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے اسے لکھتے تھے، (اگر ایسا ہوتا) تب تو باطل پرست یقیناً شک کر سکتے تھے۔'' (العنکبوت48:29)

سماجی ترقی: رسول اکرم ﷺ کی مدینہ ہجرت سے پہلے مدنی معاشرہ بھی عام جاہلی عرب معاشروں کی طرح تھا جہاں قبائلی رسم و رواج کا راج تھا۔ ان میں سے اکثر رسوم جہالت پر مبنی تھیں اگرچہ چند ایک اچھی بھی تھیں۔ رسول اکرم ﷺ رحمۃ للعالمین بن کر معبوث ہوئے۔ آپ جہاں بھی گئے اعلیٰ اخلاق، قابلِ تعریف خوبیاں بھی ساتھ لے کر گئے۔ مدینہ طیبہ میں وسیع پیمانے پر سماجی تبدیلی بھی آپ ہی کی بدولت رونما ہوئی۔

◎ آپ کی وجہ سے سب سے اہم تبدیلی یہ آئی کہ سماجی ہم آہنگی پیدا ہوئی اور ذمہ داریوں کا تعین اور احساس پیدا ہوا۔ (السياسة و المجتمع في العصر النبوی، إبراهيم حركات، ص:237)

◎ صدقہ و زکاۃ دینے کا رواج پروان چڑھا اور ضرورت مندوں کی دادرسی کا شوق اس طرح پیدا ہوا کہ معاشرتی یکجہتی کا تصور ابھر کر سامنے آگیا۔ اس کی عمدہ مثال مہاجرین اور انصار کا بھائی چارہ ہے۔ عام ضرورت مند مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی احسان اور ان کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر فوقیت دینے کی مثالیں عام ملتی ہیں۔ دوسری طرف

رسول اکرم ﷺ نے پاکدامنی اور دوسروں کے مال کی طرف نہ دیکھنے کا درس دیا۔

◎ رسول اکرم ﷺ نے اخلاق باختگی اور معاشرتی تقدس کو پامال کرنے والے اسباب کا بھی سدباب کیا، جیسے زنا وغیرہ سے نہ صرف منع کیا بلکہ اس کے مرتکب کے لیے سخت ترین سزا مقرر کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بدکاری معاشرتی اور خاندانی نظام کو تباہ کرنے، سلسلۂ نسب کو برباد کرنے اور نفسیاتی امراض کو بڑھانے کا سب سے بڑا سبب ہے۔ زنا سے معاشرے میں غیر ذمہ داری اور قطع رحمی کی فضا ہموار ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس معاملے کی سنگینی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حٰفِظُونَ ۝ إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝﴾

”اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ سوائے اپنی بیویوں یا ان (کنیزوں) کے جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ ہیں، تو بلاشبہ (ان کی بابت) ان پر کوئی ملامت نہیں۔“ (المؤمنون23:5، 6)

◎ رسول اکرم ﷺ نے زوجین کے حقوق متعین فرمائے۔ ایک دوسرے کا احترام کرنے اور حسنِ معاشرت کا حکم دیتے ہوئے انھیں باہمی محبت ومودت سے زندگی گزارنے کا درس دیا اور اپنی ازواج کے ساتھ حسن سلوک کا عملی نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ (فن تعامل النبي ﷺ في الحياة الزوجية، أديب الكمدانی، ص: 17)

◎ منشیات کسی بھی معاشرے کا سب سے بڑا ناسور ہوتا ہے۔ عرب تو شراب نوشی پر فخر کرتے تھے۔ اسلام نے اس کو تدریجاً حرم کیا اور بالآخر شراب نوشی کو کبیرہ گناہ قرار دیا۔ (صحيح البخاري، كتاب الأشربة، حديث:5575، 5602) اس کی حرمت سے لوگوں کا طرزِ زندگی ہی بدل گیا۔

◎ اسلام معاشرتی روابط کو بڑھانے کے لیے آیا، چنانچہ اس نے صلہ رحمی کو قربِ الٰہی کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ قرار دیا۔ رشتہ داروں کی خیریت دریافت کرنے، ان سے حسن سلوک اور ان پر خرچ کرنے کو اتنا بڑا ثواب بتایا کہ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور عدل و انصاف کے ذکر سے جوڑ دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾

”بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابت داروں کو (امداد) دینے کا حکم دیتا ہے اور وہ بے حیائی، برے کام اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمھیں وعظ کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت پکڑو۔“ (النحل 90:16)

◎ اسی طرح والدین سے حسن سلوک کو شرعی فریضہ قرار دیا اور اس عمل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور تقرب کے ساتھ ذکر کیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾

”اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین سے اچھا سلوک کرو، اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں تیرے ہاں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو تُو ان سے ”اف“ تک نہ کہہ اور انھیں مت جھڑک، اور ان سے نرم (لہجے میں ادب و احترام سے) بات کر۔“ (بنيّ إسرآء يل 23:17)

◎ پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کو شرعی فریضہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝﴾

”اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، رشتہ دار پڑوسی، اجنبی پڑوسی، ساتھ رہنے والے اور مسافر کے ساتھ اور اپنی ملکیت کنیزوں اور غلاموں سے بھی نیکی کرو۔ بے شک اللہ ہر اکڑنے والے، غرور کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔“ (النسآء 36:4)

◎ نیکی اور خیر کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کو عام سماجی علامت قرار دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝﴾

”اور تم نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو، اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت سخت عذاب دینے والا ہے۔“ (المآئدۃ 2:5)

مدینہ طیبہ میں اس معاشرتی ہم آہنگی اور اصلاح میں ہجرت کے بعد اضافہ ہوا۔ معاشرتی اقدار نے ترقی کی۔ لوگ ایک دوسرے کا احساس کرنے لگے اور دوسروں سے درگزر کرنے کا جذبہ پروان چڑھا۔ (اس موضوع پر متعدد کتب تالیف کی گئیں۔ ان میں سے بہترین کتاب: هدى السيرة النبوية في التغيير الاجتماعي از حنان اللحام ہے۔) ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ۝ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۝﴾

”اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، پھر جو معاف کر دے اور اصلاح کر لے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے، بلاشبہ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔“ (الشورٰي 42:39، 40)

حسن تعامل، اخلاقیات اور جاہل لوگوں سے اعراض کرنے کے متعلق عام احکامات کے علاوہ درج ذیل ارشادِ باری تعالیٰ ہی کافی ہے:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۝﴾

”اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی (وقار اور عاجزی) سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے بات کریں تو وہ کہتے ہیں: سلام ہے۔“ (الفرقان 25:63)

نیز فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا۝﴾

”اور وہ جو جھوٹی شہادت نہیں دیتے، اور جب کسی لغو اور بیہودہ کام سے ان کا گزر ہو تو وہ عزت و وقار سے گزر جاتے ہیں۔“ (الفرقان 25:72)

- کسی وقت اگر بدلہ دینے کی ضرورت ہو تو بھی احسن انداز اختیار کرنے کا حکم دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ۝﴾

”اور نیکی اور برائی برابر نہیں ہوسکتیں، آپ (برائی کو) ایسی بات سے ٹال دیجیے جو احسن ہو، تو (آپ دیکھیں گے) یکایک وہ شخص کہ آپ کے اور اس کے درمیان دشمنی

ہے، (ایسا ہوجائے گا) جیسے گرم جوش جگری دوست ہو۔“ (حٰمٓ السجدۃ 41:34)

بلکہ اعلیٰ اخلاق کو انفرادی اور معاشرے کے لیے عظیم مقصد قرار دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

”اے ایمان والو! مردوں کی کوئی جماعت دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائے، ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں)، ہوسکتا ہے کہ وہ (عورتیں) ان سے بہتر ہوں، اور تم آپس میں (ایک دوسرے پر) عیب نہ لگاؤ، اور تم ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو، ایمان (لانے) کے بعد فاسقانہ نام (سے پکارنا) برا ہے۔ اور جس نے توبہ نہ کی، تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچو، بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ اور تم ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو، اور نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، پس (ظاہر ہے کہ) تم اسے ناپسند کرتے ہو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ (الحجرات 49:11، 12)

اسلام نے معاشرے کے تمام افراد کو کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر قرار دیا اور ان

کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا۔ قرآن نے اعلان کیا کہ تمام انسانیت کی اصل ایک ہی ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝﴾

''اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور ہم نے تمھارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بلاشبہ اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا (وہ ہے جو) تم میں سے زیادہ متقی ہے، بلاشبہ اللہ بہت علم والا، خوب باخبر ہے۔'' (الحجرات 49:13)

◎ تکبر اور خودنمائی کرکے دوسروں کو حقیر سمجھنے کو حرام قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝﴾

''اور تو تکبر و غرور سے اپنے رخسار کو لوگوں سے نہ پھیر، اور زمین پر اکڑ کر نہ چل، بے شک اللہ ہر مغرور، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔'' (لقمان 31:18)

◎ معاشروں اور زمین کی اصلاح کو ہر مسلمان کا عام مقصد قرار دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾

''اور زمین کی اصلاح کے بعد تم اس میں فساد نہ کرو، اور اللہ کو خوف سے اور طمع کرتے ہوئے پکارو، بے شک اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے۔'' (الأعراف 7:56)

◎ ایک دوسرے کو حق کی تلقین اور اس راہ میں پہنچنے والے مصائب پر صبر کا عمل اور درس ہر انسان کے لیے ضروری قرار دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝﴾

''زمانے کی قسم! بے شک ہر انسان یقیناً خسارے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔'' (العصر 103:1-3)

یہ مذکورہ بالا اخلاقی قدریں مدینۃ الرسول میں پروان چڑھیں اور یہ اس معاشرے کی عملی تصویر ہے جو رسول اکرم ﷺ نے تشکیل دیا۔ انسانی تاریخ میں ایسی سماجی ترقی کی مثال ملنا مشکل ہے۔ پھر اس کا اثر صرف مدینہ اور آپ کے عہد مبارک تک محدود نہیں رہا بلکہ یہ مدینہ، ''طیبہ'' بن گیا جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے خود اس کا یہ نام تجویز فرمایا، یعنی اس کی خوشبو ہر سمت پھیل گئی۔

اسی طرح اسلام کی تمام عبادات ان اخلاقی اقدار کا دفاع کرنے اور برے اخلاق، یعنی بے حیائی اور منکرات سے روکنے والی ہیں۔ نماز کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝﴾

''(اے نبی!) اس کتاب کی تلاوت کیجیے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے، اور نماز قائم کیجیے، یقیناً نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے، اور بلاشبہ اللہ کا ذکر تو سب سے بڑی چیز ہے، اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔'' (العنکبوت 29:45)

صحت کی ترقی: رسول اکرم ﷺ کی مدینہ آمد سے پہلے وہاں کے شہریوں کو صحت کے حوالے سے کئی مسائل درپیش تھے۔ ان میں سے بعض کا تعلق آب و ہوا سے تھا، خصوصاً مدینے کا بخار بہت مشہور تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مدینہ زراعت والا علاقہ تھا اور وہاں

پانی کے جوہڑ موجود رہتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس کے لیے یوں دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا، وَفِي مُدِّنَا، وَصَحِّحْهَا لَنَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا إِلَى الْجُحْفَةِ»

”اے اللہ! جس طرح ہمیں مکہ محبوب ہے، اسی طرح یا اس سے بھی زیادہ مدینہ ہمیں محبوب بنا دے۔ اے اللہ! ہمارے لیے اس کے صاع اور مد (ماپ اور تول کے پیمانوں) میں برکت عطا فرما اور اس کی آب و ہوا کو صحت افزا بنا اور اس کے بخار کو جحفہ منتقل کر دے۔“ (صحيح البخاري، فضائل المدينة، حديث:1889)

اس دعا سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو مدینہ طیبہ کے صحت افزا مقام ہونے اور وہاں کے باشندوں کی صحت کی کس قدر زیادہ فکر تھی۔

رسول اکرم ﷺ بھی دیگر انسانوں کی طرح بیمار ہوئے۔ (التاريخ الصحى للرسول ﷺ سلسلة إقراء از حسين مؤنس) اور آپ نے علاج معالجہ کرانے کی حوصلہ افزائی کی اور مرض کا علاج تلاش کرنے کی ترغیب دی۔ (سفر السعادة، فیروز آبادی، ص:228) ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

«مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً»

”اللہ تعالیٰ نے جو بیماری اتاری ہے، اس کی دوا بھی ضرور نازل کی ہے۔“ (صحيح البخاري، الطب، حديث: 5678) آپ نے ہمیشہ دوا استعمال کرنے کی ترغیب دی۔ آپ قدرتی چیزوں سے علاج کی تاکید فرماتے، جیسے شہد وغیرہ۔

نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

«اَلشِّفَاءُ فِي ثَلَاثَةٍ: شَرْبَةِ عَسَلٍ، وَشَرْطَةِ مِحْجَمٍ، وَكَيَّةِ نَارٍ، وَأَنْهَى أُمَّتِي عَنِ الْكَيِّ»

''تین چیزوں میں شفا یقینی ہے: شہد پینے میں، سینگی لگوانے میں اور آگ کے ساتھ داغنے میں اور میں اپنی امت کو داغنے سے منع کرتا ہوں۔'' (صحیح البخاري، الطب، حدیث:5680)

اسی طرح آپ نے ان تمام خرافات کا بھی سدباب کیا جو روحانی یا جسمانی بیماریوں کا باعث بنتی ہیں، جیسے بدشگونی لینا اور کسی چیز کو منحوس سمجھنا وغیرہ، البتہ نیک شگون لینے کی ترغیب دلائی۔

آپ نے بعض نباتات، جیسے کلونجی وغیرہ کے استعمال کا حکم دیا۔ (الطب النبوي لابن القیم، ص:229)

اس کے ساتھ ساتھ رسول اکرم ﷺ نے حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کا حکم بھی دیا جو حفظانِ صحت میں اساس کا درجہ رکھتی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا سَمِعْتُمْ بِالطَّاعُونِ بِأَرْضٍ فَلَا تَدْخُلُوهَا، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا مِنْهَا»

''جب تم سنو کہ کسی علاقے میں طاعون کی وبا پھیل چکی ہے تو وہاں مت جاؤ اور اگر کسی طاعون زدہ علاقے میں تم پہلے سے موجود ہو تو وہاں سے نہ نکلو۔''

(صحیح البخاري، الطب، حدیث:5728)

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے صحت کے حوالے سے حفاظتی تدابیر اور علاج و معالجہ کے نہایت اہم قواعد وضوابط مقرر فرمائے۔ علاج بالغذاء، ضرورت سے زیادہ نہ کھانے، فرضی اور نفلی روزوں کے ذریعے سے بیماریوں سے بچاؤ کا طریقہ کار بتایا۔ اسی ضمن میں رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنٍ بِحَسْبِ ابْنِ آدَمَ أُكُلَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ، فَإِنْ كَانَ لَا مَحَالَةَ فَثُلُثٌ لِطَعَامِهِ وَ ثُلُثٌ

لِشَرَابِهِ وَثُلُثٌ لِنَفَسِهِ»

”کسی آدمی نے پیٹ سے برا کوئی برتن نہیں بھرا۔ ابن آدم کے لیے چند لقمے ہی کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں اور اگر زیادہ ہی کھانا ضروری ہو تو پیٹ کا ایک تہائی حصہ کھانے کے لیے، ایک تہائی پانی پینے کے لیے اور ایک تہائی سانس لینے کے لیے باقی رکھے۔“ (جامع الترمذي، أبواب الزهد، حديث:2380)

نبی ﷺ مریضوں کے علاج معالجے کے لیے ڈاکٹر یا حکیم کو بلانا یا اس کے پاس جانا جائز قرار دیتے جیسا کہ سعد بن ابی وقاص حجۃ الوداع کے موقع پر بیمار ہو گئے تو ان کے لیے معالج کو بلایا گیا۔ (الطبقات الكبرٰي لابن سعد:147/3، صحيح البخاري، المغازي، حديث:4409)

آپ نے علاج کے لیے جادوگری اور کہانت کی شدید مذمت فرمائی، تاہم قرآن مجید اور مسنون دعاؤں کے ذریعے سے دم کرنے کرانے کو جائز قرار دیا۔

پہلے ہسپتال کی ابتدا آپ کی حیات مبارکہ ہی میں ہو گئی تھی جسے رفیدہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا نے قائم کیا تھا۔ انھوں نے غزوۂ خندق کے دنوں میں مسجد نبوی میں زخمیوں کی مرہم پٹی کے لیے خیمہ نصب کیا۔ (السيرة النبوية لابن هشام:238/3، والإصابة لابن حجر:303/3)

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق میں زخمی ہوئے تو انھیں اسی خیمے میں ٹھہرایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِجْعَلُوهُ فِي خَيْمَةِ رُفَيْدَةَ حَتَّى أَعُودَهُ مِنْ قَرِيبٍ»

”اسے رفیدہ کے خیمے (ہسپتال) میں رکھو تاکہ میں قریب سے اس کی عیادت کر سکوں۔“ (السيرة النبوية لابن هشام:238/3)

اسی طرح بیماریوں کی روک تھام میں رسول اکرم ﷺ کے ان احکام نے بنیادی

کردار ادا کیا جن میں آپ نے صفائی رکھنے اور غسل کرنے کے احکام جاری فرمائے۔ کھانے کی نظافت، اس کی حفاظت، اسے ڈھانپ کر رکھنے کے احکام نبوی نے انسانی صحت کے تحفظ میں بہت اہم رول ادا کیا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ختنے اور بعض دیگر اعمال، جن کا تعلق جسمانی صفائی سے ہے، کا حکم دیا جنھوں نے کئی بیماریوں اور جراثیم سے بچاؤ میں بہت اہم کردار ادا کیا، جیسے رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«خَمْسٌ مِنَ الْفِطْرَةِ، اَلْخِتَانُ، وَالْاِسْتِحْدَادُ، وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ وَنَتْفُ الْإِبِطِ، وَقَصُّ الشَّارِبِ»

”پانچ چیزیں فطرت سے ہیں: ختنے کرنا، (زیرناف بال صاف کرنے کے لیے) استرہ استعمال کرنا، ناخن کاٹنا، بغلوں کے بال اکھیڑنا اور مونچھوں کو کاٹنا۔“

(صحيح مسلم، الطهارة، حديث: 257)

ان ہدایات نے مدینہ منورہ میں نہایت مثبت اثرات مرتب کیے اور وہاں کے باشندوں نے ان احکامات سے متاثر ہو کر انھیں اپنی عام و خاص زندگی کا حصہ بنایا۔ اگرچہ یہ ہدایات تمام امت کے لیے تھیں لیکن رسول اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں مدنی معاشرے نے اس کا فوری اثر قبول کیا اور دوسروں سے پہلے تبدیلی اور صحت کی ترقی میں حصہ لیا۔ یہ ترقی رسول اکرم ﷺ کی مدینہ آمد کے بعد شروع ہوئی اور آج بلکہ قیامت تک جاری رہے گی۔

اقتصادی ترقی: رسول اکرم ﷺ بچپن ہی سے محنتی تھے۔ آپ کی ذات اس حوالے سے بھی بہترین نمونہ ہے۔ بعثت سے قبل آپ نے اجرت پر اہل مکہ کی بکریاں چرائیں اور اپنے چچا ابوطالب کے کاموں میں بھی ان کی معاونت کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى الْغَنَمَ، فَقَالَ أَصْحَابُهُ: وَأَنْتَ

فَقَالَ: نَعَمْ كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلٰى قَرَارِيطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ»

”اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی مبعوث فرمایا اس نے بکریاں ضرور چرائی ہیں۔“ آپ کے صحابہ نے پوچھا: اور آپ نے بھی؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں میں بھی چند قیراط مزدوری پر اہل مکہ کی بکریاں چراتا رہا ہوں۔“ (صحيح البخاري، الإجارة، حديث:2262)

اور جب آپ ﷺ جوان ہوئے تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنا مال تجارت کرنے کے لیے آپ کے حوالے کر دیا۔ آپ مخصوص اجرت پر اس مال میں تجارت کرتے تھے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: ہماری مفصل کتاب کا عنوان ”رسول اکرم ﷺ کی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی۔“) آپ نے تجارت کی غرض سے کئی سفر بھی کیے۔

نبی ﷺ ہمیشہ کام کرنے اور پیداواری صلاحیت بڑھانے کی ترغیب دیتے۔ آپ کا فرمان ہے:

«مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللهِ دَاوُدَ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ»

”کسی نے ہاتھ کی کمائی سے بڑھ کر اچھا کھانا نہیں کھایا۔ بلاشبہ اللہ کے نبی داود علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔“ (صحيح البخاري، البيوع، حديث:2072)

نبی ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے محنت مزدوری کرنے والے انبیاء کی مثالیں بیان فرماتے، تاکہ صحابہ محنت و مزدوری کو عار نہ سمجھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«كَانَ زَكَرِيَّا نَجَّارًا»

”زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔“ (سنن ابن ماجه، التجارات، حديث: 2150)

مدینہ طیبہ میں رسول اکرم ﷺ کا رویّہ مزدوروں کے ساتھ ہمیشہ حوصلہ افزائی والا ہوتا۔

آپ نے ایک درزی کی کھانے کی دعوت قبول فرمائی۔ (صحيح البخاري، البيوع، حديث:2092) اپنے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دودھ پلانے کے لیے لوہار کی بیوی کے حوالے کیا۔ (الإصابة لابن حجر:4/98)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا اور اس طرح کے دیگر تصرفات نے اہل مدینہ اور دوسرے عربوں کا نقطہ نظر بدل کر رکھ دیا جو بعض پیشوں، جیسے لوہار وغیرہ کو حقیر سمجھتے تھے۔ (الحرف و الصناعات في الحجاز في العصر النبوي، ص:43)

اسلام کے ان مختلف قوانین نے بہت اہم کردار کیا، جنھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی پیداواری صلاحیت بڑھانے اور معاشی تعمیر و ترقی کے لیے مختلف شعبوں میں لاگو کیا تھا۔ اس ترقی کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

تجارت کی ترقی: جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو تجارت پر مکمل طور پر یہود کا قبضہ تھا۔ تمام بازاروں میں انھی کی بات چلتی تھی، خصوصاً بنوقینقاع کا بازار مکمل طور پر ان کے کنٹرول میں تھا۔ (تاريخ المدينة، لعمر بن شبة:1/304) یہ بازار انھی کے قبیلے کے نام سے موسوم تھا اور ہجرت نبوی کے وقت مدینہ طیبہ کا مشہور بازار یہی تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ مسلمان مدینہ طیبہ میں معاشی طور پر خود کفیل ہوں اور کسی کے رحم و کرم پر رہ کر زندگی نہ گزاریں۔ بنوقینقاع کا بازار کیونکہ بہت پرانا اور مشہور تھا اور یہود کے علاوہ اوس و خزرج کے بعض افراد بھی وہاں کاروبار کرتے تھے۔ اس لیے وہاں اپنا اثر و رسوخ قائم کرنا کافی مشکل تھا۔ تاہم اس کے علاوہ اوس اور خزرج کے اپنے چھوٹے چھوٹے بازار بھی تھے جیسے سوق مزاحم وغیرہ۔ (وفاء الوفا لسمهودى:4/1306)

مدینہ طیبہ اپنی زرعی پیداوار کھجور وغیرہ میں نمایاں مقام رکھتا تھا۔ اس لیے دیہاتی کھجور وغیرہ خریدنے کے لیے بکثرت مدینہ طیبہ آتے تھے۔ اسی طرح مکہ اور دیگر کئی

بڑے شہروں سے بھی لوگ کھجوریں، زرعی اجناس اور دیگر ضرورت کی اشیاء خریدنے کے لیے مدینہ کا رخ کرتے۔ اوس اور خزرج کا مدینہ طیبہ کی معیشت میں اگرچہ اہم کردار تھا کیونکہ ان کا زرعی کردار تجارت سے زیادہ مؤثر تھا۔ سرمائے پر یہود کا مکمل قبضہ تھا اس لیے وہ لوگوں کو سود پر قرض دیتے۔ مالداری کی وجہ سے مدینہ کے اندر ان کا کافی اثر و رسوخ اور غلبہ تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ طیبہ ہجرت کر کے آئے تو آپ کے ساتھ اکثریت قریش کی تھی۔ اور ان میں تجارت کا رجحان تھا۔ ان میں سے بعض نے تو مدینہ پہنچتے ہی بازار کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور خرید وفروخت کے ذریعے سے رزق کی تلاش شروع کر دی، ان میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف (صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث: 3937) اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سرفہرست تھے۔

(صحيح البخاري، كتاب البيوع، قبل حديث: 2118)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت پر یہود کا تسلط اور قبضہ محسوس کیا کہ وہ بنوقینقاع کے بازار کی وجہ سے چھائے ہوئے ہیں۔ آپ نے ان کا طلسم توڑنے کے لیے ایک دوسرا بازار بنانے کا ارادہ کیا جہاں یہود کا اثر و رسوخ نہ ہو۔ چنانچہ آپ نے بقیع ابن زبیر کی جگہ ایک خیمہ نصب کر کے اسے بازار کا درجہ دے دیا۔ یہود کو اس سے بڑی تکلیف ہوئی اور انھیں اپنے بازار کے ویران ہونے کا خطرہ محسوس ہوا۔ کعب بن اشرف اس خیمے میں داخل ہوا اور اس کی طنابیں کاٹ دیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا جَرَمَ لَأَنْقُلُهَا إِلٰى مَوضِعٍ هُوَ أَغْيَظُ لَهُ مِنْ هٰذَا»

"کوئی بات نہیں، میں اس کو ایسی جگہ منتقل کروں گا جس سے انھیں اور زیادہ تکلیف ہوگی۔" چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے "سوقِ مدینہ" کی جگہ منتقل کر کے فرمایا:

«هَذَا سُوقُكُمْ، فَلَا يُنْتَقَصُ مِنْهُ أَوْ لَا يُضَيَّقُ، وَلَا يُؤْخَذُ فِيهِ خَرَاجٌ»

’’یہ تمھارا بازار ہے۔ اسے کم یا تنگ نہ کیا جائے اور کسی سے ٹیکس یا لگان بھی نہ لیا جائے۔‘‘(وفاء الوفاء:749/2، تاریخ المدینة لعمر بن شبة:304/1)

رسول اکرم ﷺ نے اس نئے بازار میں کسی سے کرایہ لینا منع کر دیا۔ اس سے بازار کا رش بڑھ گیا اور لوگ کثرت سے اس بازار کا رخ کرنے لگے۔

آپ ﷺ نے جس جگہ کا انتخاب کیا وہ نہایت مناسب تھی۔ شام، مکہ، یمن اور مدینہ کے آس پاس کے دیگر قبائل جب مدینہ آتے تو سب سے پہلے مسلمانوں کا یہ بازار آتا۔ اس لیے قافلوں اور تاجروں کو بنوقینقاع کے بازار جانے کے لیے بھی مسلمانوں کے بازار سے گزر کر جانا پڑتا۔ اس سے یہود کی تکلیف میں مزید اضافہ ہو گیا، تاہم اس سے مسلمانوں اور دیگر لوگوں میں خرید وفروخت کا رجحان بڑھ گیا اور تجارت کا شوق پیدا ہوا۔

مسلمانوں کے بازار کی رونق میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا۔ اس کا سبب مہاجرین قریش کی تجارت میں دلچسپی تھی۔ سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم سب بزرگ تجارت پیشہ تھے۔ سیدنا عثمان اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہما مدینہ کے بازار میں گندم کا کاروبار کرتے تھے۔

رسول اکرم ﷺ خود بازار کا چکر لگاتے اور ان سے سامان ضرورت خریدتے اور ساتھ ہی انھیں دھوکا دہی سے بھی ڈراتے۔ رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شام کی طرف جانے والے تجارتی قافلوں میں بھی شامل ہوتے۔(السيرة النبوية لابن كثير:249/2)

ریاست کا نظم و ضبط اور ذمہ داریوں کا تعین

اہل عرب خصوصاً نجد اور حجاز والے کسی سیاسی یا انتظامی نظم و ضبط سے بہرہ ور نہ تھے۔ قبائلی رسم و رواج اور عادات کے مطابق ہر قبیلہ انفرادی طور پر اپنے انتظام و انصرام کرتا تھا۔کوئی معین سیاسی یا ریاستی قانون یا ضابطہ نہ تھا۔ مکہ یا مدینہ میں کوئی ایسی قیادت نہ تھی جس کی بات مانی جاتی اور نہ ایسا کوئی ذمہ دار ادارہ تھا جس کے لوگ تابع ہوتے۔ لوگ قبائلی نظم وضبط اور رسم و رواج کے مطابق زندگی گزار رہے تھے۔ وہ شہروں میں رہنے کے باوجود کسی ضابطے اور متعین قانون کے بغیر رہ رہے تھے۔ رسول اکرم ﷺ تشریف لائے تو تمام لوگ رسول اکرم ﷺ کے حکم کے تابع ہو گئے۔

حکومت اور نظم و ضبط کسی بھی معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے۔ قرآن نے اس کا خاکہ یوں پیش کیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۞﴾

”بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کردو، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، بے شک اللہ تمھیں بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ پھر اگر تم باہم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم واقعی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہت بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔“ (النسآء4:58، 59)

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝﴾

”بلاشبہ یقیناً ہم نے اپنے رسول واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی، تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں، اور ہم نے لوہا اتارا، اس میں سخت لڑائی (کا سامان) اور لوگوں کے لیے بہت سے فائدے ہیں، اور تاکہ اللہ اسے جان لے جو بن دیکھے اسکی اور اسکے رسولوں کی مدد کرتا ہے۔ بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا، نہایت غالب ہے۔“ (الحدید57:25)

رسول اکرم ﷺ ریاستِ مدینہ کے سربراہ تھے اور آپ ہی ملازمین اور سرکاری کارندے مقرر فرماتے تھے۔ (تاریخ خلیفة بن خیاط (عمال الرسول علی البلدان)، ص: 60، و الولایة علی البلدان، عبدالعزیز العمری، ص: 39) آپ ہمیشہ انتظامات اور ذمہ داریوں کے تعین کے حامی رہے۔ جب آپ کی بیعت عقبہ ثانیہ ہوئی تو آپ نے بیعت کرنے والوں کو بھی

تنظیم کے دھارے میں لانے کے لیے حکم دیا کہ وہ اپنا اپنا ایک نمائندہ میرے پاس بھیجیں جو دوسروں کا جواب دہ ہو اور احکامات کو دوسروں تک پہنچانے اور عمل کروانے کا پابند ہو۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: ہماری مفصل کتاب کا باب بيعة العقبة الثانية)

مردوں اور عورتوں سے بیعت لینے کا ایک خاص مقصد تھا۔ (التراتيب الإدارية: 222/1)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

’’اے نبی! جب آپ کے پاس مومن عورتیں آئیں (اور) وہ آپ سے (ان امور پر) بیعت کریں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، اور نہ چوری کریں گی، اور نہ زنا کریں گی، اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی، اور نہ بہتان لگائیں گی جو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان گھڑ لیں، اور نہ نیک کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی، تو آپ ان سے بیعت لے لیں، اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگیں، بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔‘‘ (الممتحنة 12:60)

افراد تھوڑے ہوں یا زیادہ رسول اکرم ﷺ نے واضح طور پر حکم دیا ہے کہ ایک ذمہ دار امیر کا تعین ضرور ہونا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَحِلُّ لِثَلَاثَةِ نَفَرٍ يَكُونُونَ بِأَرْضِ فَلَاةٍ إِلَّا أَمَّرُوا عَلَيْهِمْ أَحَدَهُمْ»

’’تین افراد بھی اگر کسی ایک جگہ میں ہوں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ تین میں سے ایک کو اپنا امیر مقرر کریں۔‘‘ (مسند أحمد: 177/2)

رسول اکرم ﷺ ریاست مدینہ کے دفاعی اور فوجی معاملات کی بھی خود نگرانی فرماتے۔ نظم وضبط کا خیال اور قیادت کی فرمانبرداری، وہ اوصاف تھے جن پر رسول اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت کی۔ مدینہ طیبہ اسلامی ریاست کا دارالخلافہ تھا اور رسول اکرم ﷺ شرف نبوت کے ساتھ ساتھ اس کے پہلے عملی حاکم بھی تھے۔ آپ خود ہی اس کے معاملات کی دیکھ بھال کرتے۔ اگر آپ مدینہ سے کہیں باہر جاتے تو اپنے صحابہ میں سے کسی کو اپنا نائب مقرر کر کے جاتے۔ سیرت نگاروں نے ان تمام لوگوں کے نام درج کیے ہیں جنھیں آپ نے مختلف غزوات پر جاتے ہوئے مختلف مواقع پر اپنا نائب مقرر کیا۔ ان میں سے مشہور حضرات جنھیں آپ نے مدینہ طیبہ میں اپنا نائب بنایا، درج ذیل ہیں:

① عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ:

عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ قریشی صحابی ہیں۔ قدیم الاسلام تھے۔ مکہ میں مسلمان ہوئے اور پھر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ سورۂ عبس انھی کے بارے میں نازل ہوئی۔ قادسیہ کے معرکے میں شہید ہوئے۔ انھیں رسول اکرم ﷺ نے تیرہ مرتبہ مدینہ میں اپنا نائب بنایا۔ (الإصابة لابن حجر: 523/2) ان میں **غزوۂ بدر** (تاريخ خليفة بن خياط، ص: 96) اور **غزوۂ حمراء الاسد** وغیرہ شامل ہیں۔ (السيرة النبوية لابن هشام: 3/101، 102)

② سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ:

انھیں رسول اکرم ﷺ نے بعض غزوات میں اپنا نائب مقرر کیا۔ (تاريخ الخلفاء: 148)

ریاست مدینہ کی وسعت کے بعد جب کئی علاقے اس کے تحت آ گئے، جیسے: **یمن**، **مکہ مکرمہ** (تاريخ الطبري: 126/3، اسی طرح عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو بھی مکہ کا گورنر مقرر کیا اور نبی ﷺ کی وفات کے بعد بھی وہ گورنر رہے۔ الطبقات لابن سعد: 446/5)، **طائف**، **بحرین** (فتوح البلدان، البلاذري، ص: 90) اور **عمان** (تاريخ خليفة بن خياط، ص: 97، والروض الأنف: 250/4) **وغیرہ** تو آپ نے وہاں کے انتظام وانصرام کے لیے ان علاقوں میں باقاعدہ گورنر مقرر فرمائے۔

رسول اکرم ﷺ ریاست کے سربراہ ہونے کے باوجود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بکثرت مشورہ کرتے تھے۔ مشورہ کی اہمیت واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ شوریٰ نازل فرمائی اور مسلمانوں کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾

”اور وہ لوگ جنھوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز قائم کی، اور ان کا (ہر) کام باہمی مشورے سے ہوتا ہے، اور ہم نے انھیں جو کچھ دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔“ (الشوریٰ 38:42)

ایک مقام پر مشورہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾

”پھر (اے نبی!) آپ اللہ کی رحمت کے باعث ان کے لیے نرم ہو گئے۔ اگر آپ بدخلق سخت دل ہوتے تو یقیناً وہ سب آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، بس آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے بخشش مانگیں اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسا کریں، بے شک اللہ بھروسا کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“ (آلِ عمران 159:3)

رسول اکرم ﷺ کے بارے میں ثابت ہے کہ آپ کوئی بھی اہم کام سرانجام دینے سے پہلے اپنے ساتھ کام کرنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ضرور مشورہ کرتے حتیٰ کہ بعض صحابہ کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ رسول اکرم ﷺ کی شوریٰ کے رکن ہیں۔

عدل ومساوات

عدل و مساوات ایک اہم اسلامی و انسانی اصول ہے۔ مسلمان کے عام و خاص ہر قسم کے معاملات اسی اصول کے تحت انجام پاتے ہیں۔ خصوصاً جن معاملات کا تعلق دوسروں سے ہو، ان میں عدل و انصاف کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص لوگوں کے معاملات کا ذمہ دار ہو یا کسی اہم عہدے پر فائز ہو تو عدل و انصاف کے تقاضے ہر وقت ہر جگہ مزید بڑھ جاتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝﴾

”بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابت داروں کو (امداد) دینے کا حکم دیتا ہے اور وہ بے حیائی، برے کام اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمھیں وعظ کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت پکڑو۔“ (النحل 90:16)

ایک مقام پر فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۝﴾

”بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں کو ادا کردو، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، بے شک اللہ تمھیں بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔“ (النسآء 58:4)

ایک دوسرے مقام پر عدل و انصاف کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝﴾

”لہٰذا آپ اسی (دین) کی طرف (سب کو) بلائیں اور ثابت قدم رہیں جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے، اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، اور کہہ دیجیے: اللہ نے جو کتاب بھی نازل کی ہے، میں اس پر ایمان لایا ہوں، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان انصاف کروں، اللہ ہی ہمارا رب اور تمھارا رب ہے، ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال۔ ہمارے اور تمھارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں، اللہ (روز قیامت) ہم سب کو جمع کرے گا، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔“ (الشورٰی 15:42)

ایک مقام پر ظلم کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۭ۬ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۝ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۭ ۝ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝﴾

’’اور (اے نبی!) آپ ہرگز مت خیال کریں کہ اللہ ان کاموں سے غافل ہے جو ظالم کرتے ہیں، وہ تو انھیں صرف اس دن تک مہلت دیتا ہے جس میں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ وہ اپنے سر اٹھائے (محشر کی طرف) دوڑ رہے ہوں گے، ان کی نگاہ ان کی طرف بھی نہ پھر سکے گی، اور ان کے دل خالی ہوں گے۔ اور (اے نبی!) لوگوں کو اس دن سے ڈرائیں جب انھیں عذاب آلے گا تو ظالم کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑی سی مدت تک مہلت دے دے ہم تیری دعوت قبول کریں گے اور ہم رسولوں کی پیروی کریں گے۔ (ان سے کہا جائے گا:) کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہیں کھاتے تھے کہ تمھارے لیے کوئی زوال نہیں؟‘‘ (إبراهيم 14:42-44)

نیز فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اللہ کے لیے (حق پر) قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو، یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو، بے شک تم جو عمل کرتے ہو اللہ اس سے خوب آگاہ ہے۔‘‘ (المآئدة 5:8)

عدل وانصاف کا تقاضا صرف فیصلہ کرنے کے بارے میں نہیں ہے بلکہ اس کا مخاطب

ہر مسلمان ہے اور یہ کسی بھی انتظامی کام کی اساس اور بنیاد ہے۔ کسی بھی عہدے دار کے لیے ضروری ہے کہ وہ عادل ہو۔ اپنے ملازمین اور ہم منصبوں کے ساتھ اور جو بھی اس کے کام سے متعلق لوگ ہیں سب کے ساتھ عدل کرنے والا ہو۔ عدل و انصاف تو اس حد تک ضروری ہے کہ انسان کو خود اپنی ذات، خاندان اور ذاتی کام میں بھی عدل کا حکم دیا گیا ہے، چہ جائیکہ کوئی کسی عوامی عہدے پر فائز ہو اور اس کے ساتھ لوگوں کے حقوق وابستہ ہوں۔

رسول اکرم ﷺ ظلم سے ڈراتے تھے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«اِتَّقُوا الظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَّومَ الْقِيَامَةِ»

''ظلم سے بچو کیونکہ وہ قیامت کے دن تاریکیاں بن کر سامنے آئے گا۔'' (مسند أحمد: 92/2، حديث:5662)

اسی طرح رسول اکرم ﷺ ہر امیر غریب کے ساتھ عدل کے تقاضے پورے کرنے اور اس پر حدود قائم کرنے کا حکم فرماتے اور اس میں مداہنت اور کمزوری دکھانے سے منع فرماتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَأَيْمُ اللهِ، لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ ابْنَةَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا»

''بلاشبہ تم سے پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں کوئی معزز آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کرتے۔ اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔'' (صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، حديث:3475)

رسول اکرم ﷺ خود لوگوں کے درمیان فیصلے فرماتے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: أقضية رسول الله، للقرطبي) آپ ﷺ عدل و انصاف کے تمام تقاضے پورے کرتے اور شبہات کے ازالے کی پوری کوشش کرتے۔ فریقین کو دوسرے کے حقوق غصب کرنے کے جرم سے خبردار کرتے کہ اگر غلط بیانی سے ظاہری فیصلہ اپنے حق میں کرا بھی لیا تو حلال ہرگز نہیں ہوگا۔

ایک حدیث میں وارد ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنے دروازے پر شور سنا، دیکھا تو لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

«إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَ إِنَّهُ يَأْتِينِي الْخَصْمُ، فَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ، فَأَحْسِبُ أَنَّهُ صَدَقَ، فَأَقْضِيَ لَهُ بِذَالِكَ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَإِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِنَ النَّارِ، فَلْيَأْخُذْهَا أَوْ فَلْيَتْرُكْهَا»

”میں بھی بشر ہوں۔ میرے پاس جھگڑا کرنے والے آتے ہیں اور بعض دفعہ کوئی شخص دوسرے سے زیادہ باتونی ہوتا ہے اور میں اسے سچا سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں۔ چنانچہ جسے میں کسی مسلمان کا حق دے دوں تو وہ یقیناً آگ کا ٹکڑا ہے۔ چاہے تو پکڑ لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔“ (صحيح البخاري، المظالم، حديث:2458)

رسول اکرم ﷺ تمام لوگوں کے درمیان فیصلے فرماتے۔ فیصلہ کرانے والے مسلمان ہوتے یا کافر، رسول اکرم ﷺ پورا پورا عدل و انصاف کرتے۔ آپ ﷺ نے قاضیوں اور جھگڑنے والوں کے لیے قوانین و اخلاقیات کی مکمل وضاحت فرمائی۔ آپ ﷺ نے جھوٹے وعدے اور جھوٹی قسم کی سنگینی سے ڈرایا ہے کہ کوئی شخص ناجائز طریقے سے کسی کا حق غصب نہ کرے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ وَهُوَ فِيهَا فَاجِرٌ لِيَقْتَطِعَ بِهَا مَالَ امْرِءٍ

مُسْلِمٍ لَقِيَ اللهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ»

''جس نے جھوٹی قسم جان بوجھ کر کھائی تا کہ کسی مسلمان کا مال ناجائز طور پر بٹورے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حالت میں حاضر ہوگا کہ اللہ پاک اس پر نہایت ہی غضب ناک ہوگا۔'' (صحيح البخاري، الخصومات، حديث:2416)

اسی بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

''بے شک جو لوگ اللہ کا عہد اور اپنی قسمیں تھوڑی قیمت کے بدلے بیچ ڈالتے ہیں، ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا اور قیامت کے روز اللہ ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔'' (آلِ عمران3:77)

نیز فرمایا:

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ﴾

''لہٰذا تم بتوں کی گندگی سے بچو، اور جھوٹی بات سے بھی بچو۔'' (الحج22:30)

نبی ﷺ نے جھگڑنے والوں کے درمیان فیصلہ کرتے وقت عدل و انصاف کرنے کی واضح ہدایات جاری کیں اور خواہشات نفس کی پیروی سے منع فرمایا۔ آپ نے حکم دیا کہ فیصلہ واضح شرعی نظام کے مطابق ہو۔ اس ضمن میں آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ»

”دلیل دینا مدعی کے ذمے ہے (بصورت دیگر) مدعی علیہ کے ذمے قسم ہے۔“

(جامع الترمذي، الأحكام، حديث:1341)

اور قرآن کا مطالبہ بھی یہی ہے کہ خواہشات نفس کا لحاظ رکھے بغیر عدل وانصاف قائم کیا جائے۔ حتی کہ فیصلہ اگر قریب ترین عزیز بلکہ خود اپنی ذات کے مخالف ہو تو بھی عدل وانصاف کا دامن نہ چھوڑا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم انصاف کے لیے ڈٹ جانے والے اور اللہ کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، خواہ وہ تمھارے اپنے خلاف ہو یا تمھارے والدین اور رشتے داروں کے خلاف ہو، معاملے کا فریق امیر ہو یا غریب، دونوں صورتوں میں تمھاری نسبت اللہ زیادہ ان کا خیر خواہ ہے، لہٰذا تم نفسانی خواہش کے پیچھے پڑ کر انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ اور اگر تم نے توڑ مروڑ کر بات کی یا (گواہی دینے سے) منہ موڑا تو بے شک تم جو بھی عمل کرتے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔“ (النسآء 4:135)

اور حدیث قدسی میں ہے:

«يَا عِبَادِي إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوا»

”اے میرے بندو! بے شک میں نے اپنے اوپر ظلم حرام قرار دیا ہے اور اسے

تمھارے درمیان بھی حرام ٹھہرایا ہے، لہٰذا ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔'' (صحيح مسلم، البر والصلة، حديث: 2577)

رسول اکرم ﷺ نے فیصلہ کرنے میں ظلم و ناانصافی سے ڈرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

«اَلْقُضَاةُ ثَلَاثَةٌ، قَاضِيَانِ فِي النَّارِ وَقَاضٍ فِي الْجَنَّةِ، رَجُلٌ قَضَى بِغَيْرِ الْحَقِّ فَعَلِمَ ذَاكَ فَذَاكَ فِي النَّارِ، وَقَاضٍ لَا يَعْلَمُ فَأَهْلَكَ حُقُوقَ النَّاسِ فَهُوَ فِي النَّارِ، وَقَاضٍ قَضَى بِالْحَقِّ فَذَالِكَ فِي الْجَنَّةِ»

''قاضی تین طرح کے ہیں۔ دو قاضی آگ میں جائیں گے اور ایک قاضی جنت میں جائے گا۔ جس شخص نے جان بوجھ کر ناحق فیصلہ دیا تو وہ آگ میں جائے گا۔ ایک قاضی وہ ہے جو جاہل ہے، وہ فیصلہ کرتے ہوئے لوگوں کے حقوق ضائع کرتا ہے، وہ بھی آگ میں جائے گا اور جو قاضی حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے، وہ جنت میں جائے گا۔'' (جامع الترمذي، الأحكام، حديث: 1322)

اسی طرح اسلام نے رشوت کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ یہ ظلم اور لوگوں کے حقوق ضائع کرنے کا باعث بنتی ہے، نیز یہ قاضیوں اور حکمرانوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔

حدیث نبوی ہے:

«لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ الرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي»

''رسول اکرم ﷺ نے رشوت دینے اور لینے والے پر لعنت کی ہے۔'' (جامع الترمذي، الأحكام، حديث: 1337)

مدینہ طیبہ کے مسلم معاشرے میں عدلیہ سب کے لیے یکساں تھی۔ یہاں مسلمانوں اور کفار سب کے فیصلے ہوتے تھے اور سب کے ساتھ برابر سلوک ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾

"وہ بہت سننے والے ہیں جھوٹ کو اور جی بھر کر حرام کھانے والے ہیں، پھر اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ (کو اختیار ہے کہ) ان کے درمیان فیصلہ کریں یا ان سے منہ پھیرلیں اور اگر آپ ان سے منہ پھیر لیں گے تو بھی وہ آپ کو قطعاً کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر آپ ان کے درمیان کوئی فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ کریں۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" (المآئدة 5:42)

رسول اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ سے دور دراز علاقوں میں ججوں کی تقرری کر کے عدلیہ کا سسٹم منظّم کر کے اپنی ذمہ داری ادا کر دی۔ آپ نے لوگوں کے تنازعات کو حل کرنے کے لیے کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو قاضی بنا کر بھیجا اور انھیں خصوصی ہدایات جاری فرمائیں۔ (الأحكام السلطانية، للماوردي، ص: 67)

ریاست مدینہ کے تابع جتنے علاقے تھے۔ نبی ﷺ نے سب میں ایک ایک گورنر مقرر کیا جو لوگوں کے معاملات کے فیصلے کرنے کے علاوہ عدل و انصاف بھی قائم کرتا۔

شاید عدلیہ کے حوالے سے پہلا عالمی دستور وہ خط ہے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو عدل و انصاف قائم کرنے کے بارے میں لکھا تھا۔ (إعلام الموقعين: 86/1، 165/2، یہ خط تقریباً 450 صفحات پر مشتمل ہے۔) اور بلاشبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسی سے اخذ کیا جو انھوں نے عدلیہ اور عدل و انصاف کے حوالے سے نبی ﷺ سے سیکھا تھا۔ (إعلام الموقعين: 85/1، 86)

بلاشبہ کسی بھی انسانی معاشرے میں زندگی اور امن وسلامتی کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہاں ایسا عادلانہ نظام، قوانین اور شریعت کا نفاذ ہو جس کی نظر میں سب برابر ہوں۔ اور

اس کے ساتھ ساتھ حقوق کے تحفظ کے لیے کوئی جوڈیشنل اتھارٹی ہو، نیز کوئی ایسی پاور ہو جو لوگوں کو ان کا حق دلا سکے، ظلم روکے اور فیصلوں کو نافذ کر سکے۔ اس طرح کے عادلانہ نظام سے تمام لوگوں کو تحفظ ملے گا اور یہ باعزت زندگی گزارنے میں معاون ہو گا۔ صحیح سرمائے کی حفاظت ہوگی اور کوئی کسی کی جان مال اور عزت پر حملہ نہیں کر سکے گا۔

رسول اکرم ﷺ نے رحمانی ہدایات اور اپنے نبوی ارشادات کے ذریعے ایسا ہی مسلمان معاشرہ مدینہ طیبہ میں تشکیل دیا اور یہ خوبصورت عادلانہ نظام آپ کے ماتحت علاقوں جو جزیرۂ عرب کے اطراف واکناف تک پھیلے ہوئے تھے، میں بھی نافذ ہوا۔

یہ نظام، مملکت اسلامیہ اور اس کے معاشروں کا امتیازی نشان بن گیا۔ جوں جوں اس نظام کی پیروی بڑھتی گئی اور یہ مزید منظّم ہوتا گیا، امن وامان کی صورت حال بہتر سے بہتر تر ہوتی گئی اور جہاں اس نظام سے روگردانی ہوئی حقوق انسانی کا ضیاع بڑھتا گیا۔

علمائے اسلام اور فقہائے شریعت نے عدلیہ، قانون اور شریعت کے بارے میں جس قدر لکھا ہے، یہ اتنی زیادہ علمی میراث ہے کہ اس کا احاطہ ناممکن ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسے معاشرتی پہلو سے دیکھا جائے۔ امت کی اکثریت اس سے ناواقف ہے۔ قیادت، بیوروکریسی اور اعلیٰ عہدوں پر فائز لوگ بھی اس حوالے سے غفلت کا شکار ہیں، چنانچہ وہ خود بھی ضائع ہو رہے ہیں اور لوگوں کو بھی نقصان پہنچا رہے ہیں۔

امن وسلامتی کے احکام

امن و امان ہر انسان کی بنیادی ضرورت اور ہر معاشرے کا اساسی تقاضا ہے۔ بعثت نبوی کے وقت عرب معاشرہ انتشار اور بدامنی کا شکار تھا۔ طاقتور، کمزور کو کھا رہا تھا اور بدامنی کی صورت حال یہ تھی کہ لوگ ذاتی دفاع سے عاجز اور سفر کرنے سے کتراتے تھے۔ امن و امان سے رہنے کے لیے طاقتور ہونا یا کسی طاقتور کا حلیف ہونا ضروری تھا۔ کوئی مستقل نظام، شریعت یا قانون ایسا نہ تھا جو لوگوں کو دوسروں کے ظلم وستم سے بچا سکے۔

اسلامی ریاست کے قیام کے وقت ہی سے یہ پالیسی تھی کہ امن سب شہریوں کے لیے ہوگا بلکہ یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ امن وسلامتی کا قیام ہی اس ریاست کا بنیادی مقصد تھا۔ آپ نے ایسے قوانین مقرر فرمائے جن سے بیک وقت جرائم کی روک تھام، مجرم کی سزا، حقوق کے تحفظ کے ساتھ عدل و انصاف کے تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھا جا سکے اور امن و امان کا بھی بول بالا ہو۔

انسانی زندگی میں دین، توحید اور رزق کے بعد سب سے اہم معاملہ امن کا ہے۔ اس آیت میں ان سب چیزوں کو معجزانہ طور پر جمع کر دیا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۙ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ڏ وَّاٰمَنَهُمْ

﴿مِّنۡ خَوۡفٍ﴾

’’لہٰذا انھیں چاہیے کہ وہ اس گھر (کعبہ) کے رب کی عبادت کریں۔ وہ جس نے انھیں بھوک میں کھانا کھلایا اور انھیں خوف سے امن دیا۔‘‘ (قریش 106: 3، 4)

توحید، رزق اور امن و امان کو بیت اللہ اور مسلمانوں کے قبلے کے ساتھ ذکر کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جگہ، نظم وضبط اور دین کا ایک ساتھ ہونا بہت ضروری ہے۔

قرآن مجید نے امن و امان کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے اسے انسان کے دین اور معیشت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِيۡۤ اَطۡعَمَهُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ﴾

’’وہ جس نے انھیں بھوک میں کھانا کھلایا اور انھیں خوف سے امن دیا۔‘‘ (قریش 106: 4)

نیز فرمایا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ كَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمۡ دِيۡنَهُمُ الَّذِى ارۡتَضٰى لَهُمۡ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا ؕ يَعۡبُدُوۡنَنِىۡ لَا يُشۡرِكُوۡنَ بِىۡ شَيۡــًٔا ؕ وَمَنۡ كَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ﴾

’’جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور خلافت دے گا، جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی، اور ان کے لیے ضرور ان کا وہ دین مضبوط کر دے گا جو اس نے ان کے لیے چنا، اور یقیناً ان کی حالتِ خوف کو بدل کر وہ ضرور انھیں امن دے گا، وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی شے کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو یہی لوگ فاسق ہیں۔‘‘ (النور 24: 55)

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ڬ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۝﴾

''اس میں واضح نشانیاں ہیں (اور) مقام ابراہیم ہے، اور جو اس میں داخل ہو جائے، وہ امن والا ہو جاتا ہے، اللہ نے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے جو اس کی طرف سفر کرنے کی طاقت رکھتے ہوں اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ ساری دنیا سے بڑا بے پروا ہے۔'' (آلِ عمران 97:3)

ایک دوسری آیت میں فرمایا:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ۝﴾

''اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دے، اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھنا۔'' (إبراهيم 35:14)

اسی بارے میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾

''جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو بڑے ظلم (شرک) کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا، وہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہے، اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔'' (الأنعام 82:6)

اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء کے واقعات بیان کرتے ہوئے قوموں کی زندگی میں امن

کی اہمیت یوں اُجاگر فرمائی۔ قوم صالح کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ۝ ﴾

''کیا تمھیں یہاں کی چیزوں میں پرامن چھوڑ دیا جائے گا۔'' (الشعراء 26:146)

تمام قوموں اور بستیوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ﴾

''کیا پھر بستیوں والے اس (بات) سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو آجائے اور وہ سوئے ہوئے ہوں؟ یا بستیوں والے اس (بات) سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آجائے اور وہ کھیل تماشے میں مصروف ہوں؟ کیا پھر وہ اللہ کی تدبیر سے بے خوف ہو گئے ہیں؟ اللہ کی تدبیر سے بے خوف تو وہی لوگ ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہوں۔'' (الأعراف 7:97-99)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ ﴾

''اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان کی ہے جو امن و اطمینان سے (آباد) تھی، اس کا رزق اسے ہر جگہ سے وافر (میسر) آتا تھا، پھر اس (کے باشندوں) نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے انھیں ان کے کرتوتوں کی وجہ سے بھوک اور خوف کا لباس چکھا دیا۔'' (النحل 16:112)

رسول اکرم ﷺ نے کئی بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خوشخبری دی کہ اس دین کے ذریعے سے امن کا بول بالا ہو گا۔ آپ ﷺ نے عدی بن حاتم سے فرمایا تھا:

«فَوَاللّٰهِ لَيُوشِكَنَّ أَنْ تَسْمَعَ بِالْمَرْأَةِ تَخْرُجُ مِنَ الْقَادِسِيَّةِ عَلٰى بَعِيرِهَا حَتّٰى تَزُورَ هٰذَا الْبَيْتَ لَا تَخَافُ أَحَدًا إِلَّا اللّٰهَ»

''اللہ کی قسم! عنقریب تم سنو گے کہ ایک عورت قادسیہ سے اونٹ پر سوار ہو کر نکلے گی، اس گھر کی زیارت کرے گی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہو گا۔''
(تاريخ الطبري: 150/3، والمغازي لابن أبي شيبة، ص: 142، و السيرة النبوية لابن هشام: 581/4)

ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَلَيُتِمَّنَّ اللّٰهُ هٰذَا الْأَمْرَ حَتّٰى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلٰى حَضْرَمَوْتَ مَا يَخَافُ إِلَّا اللّٰهَ وَالذِّئْبَ عَلٰى غَنَمِهِ»

''اللہ تعالیٰ دین کے اس امر کو ضرور پورا کرے گا حتی کہ ایک سوار صنعا سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا یا بکریوں کے بارے میں بھیڑیے کا ڈر ہو گا۔'' (صحيح البخاري، مناقب الأنصار، حديث: 3852)

لوگوں میں امن و امان کا قیام اسلام کا بنیادی اور اہم مقصد ہے۔ اس لیے خوف اور اس کے عوامل و اسباب کے خلاف لڑنا ضروری قرار دیا۔ ریاستی اختیارات کا مقصد، جس کے سربراہ خود رسول اکرم ﷺ تھے، امن قائم کرنا ہی تھا۔

اور رسول اکرم ﷺ اپنی گفتگو اور خطبات میں بھی صلح و آشتی اور امن و امان کے ساتھ رہنے اور کسی دوسرے پر زیادتی نہ کرنے کی تاکید فرماتے۔

آپ ﷺ نے اپنے حجۃ الوداع کے مشہور خطبے میں فرمایا:

«أَلَا أَيُّ شَهْرٍ تَعْلَمُونَهُ أَعْظَمُ حُرْمَةً؟ قَالُوا: أَلَا شَهْرُنَا هَذَا.
قَالَ: أَلَا أَيُّ بَلَدٍ تَعْلَمُونَهُ أَعْظَمُ حُرْمَةً؟ قَالُوا: أَلَا بَلَدُنَا هَذَا،
قَالَ: أَلَا أَيُّ يَوْمٍ تَعْلَمُونَهُ أَعْظَمُ حُرْمَةً؟ قَالُوا: أَلَا يَوْمُنَا هَذَا،
قَالَ: فَإِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ
وَأَعْرَاضَكُمْ، إِلَّا بِحَقِّهَا، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا،
فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ ثَلَاثًا، كُلُّ ذَالِكَ يُجِيبُونَهُ أَلَا
نَعَمْ، قَالَ: وَيْحَكُمْ، أَوْ وَيْلَكُمْ، لَا تَرْجِعُنَّ بَعْدِي كُفَّارًا، يَضْرِبُ
بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ»

''تم کس مہینے کو سب سے زیادہ حرمت والا خیال کرتے ہو؟ لوگوں نے جواب دیا: ہمارے اسی مہینے کو۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''تم کس شہر کو سب سے زیادہ حرمت والا خیال کرتے ہو؟'' لوگوں نے جواب دیا: اسی شہر (مکہ) کو۔ پھر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''تم کس دن کو سب سے زیادہ عزت والا سمجھتے ہو؟'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اپنے اسی دن (یوم نحر) کو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے حق شرعی کے سوا تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری عزتیں تم پر حرام کر دی ہیں جیسا کہ اس دن کی حرمت اس شہر اور اس مہینے میں ہے۔'' پھر آپ نے تین مرتبہ فرمایا: ''کیا میں نے تمھیں اللہ کا پیغام دیا ہے؟'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ ہاں پہنچا دیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ''تمھاری خرابی ہو! میرے بعد تم کفار جیسے نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں اڑانے لگو۔'' (صحيح البخاري، الحدود، حديث:6785)

انسانی زندگی میں امن کی اہمیت بیان کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ آمِنًا فِي سِرْبِهِ مُعَافًى فِي جَسَدِهِ عِنْدَهُ قُوتُ يَوْمِهِ فَكَأَنَّمَا حِيزَتْ لَهُ الدُّنْيَا»

”تم میں سے جو شخص امن کے ساتھ اپنے گھر میں صبح کرے، جسمانی طور پر بھی ٹھیک ہو اور اس کے پاس ایک دن کی ضرورت کا سامان بھی ہو، تو گویا اسے ساری دنیا دے دی گئی ہے۔“ (جامع الترمذي، الزهد، حديث:2346)

ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُرَوِّعَ مُسْلِمًا»

”کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو خوف زدہ کرے۔“ (مسند أحمد:262/5)

آپ ﷺ اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَتِي وَآمِنْ رَّوْعَتِي»

”اے اللہ میرے عیبوں پر پردے ڈال دے اور مجھے خوف سے امن عطا فرما۔“

(مسند أحمد:25/2)

اسلامی ریاست نے مدینہ طیبہ میں مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کو امن و سلامتی دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ رسول اکرم ﷺ اور مدینہ کے عام باشندوں اور قبائل کے درمیان معاہدے کی یہی بنیاد تھی۔ یہ مشترکہ دفاع، امن وسلامتی کو فروغ دینے اور امن کو برباد کرنے والوں کی حوصلہ افزائی نہ کرنے کا معاہدہ تھا۔ اس میں طے پایا کہ امن و امان کو مدینہ کا باسی خراب کرے یا باہر سے کوئی خطرہ ہو، سب سے سختی سے نبٹا جائے گا۔

(دیکھیے، اس موضوع پر ہماری کتاب میں ’وثیقۃ المدینہ‘)

رسول اکرم ﷺ مدینہ طیبہ کے شہریوں اور وہاں پناہ لینے والوں کی امن وسلامتی کی

خودنگرانی فرماتے۔ مجرموں، دنگا فساد کرنے والوں، لوگوں کا امن وامان برباد کرنے والوں اورقتل وغارت کرنے والوں پر شرعی حدود کا نفاذ فرماتے۔ جیسا کہ عرینہ قبائل کے فسادیوں کو عبرت ناک سزا دی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں مستقل ایک عنوان ''کتاب الحدود'' کے نام سے قائم کیا اور اس کے تحت متعدد ابواب اور سیکڑوں احادیث ذکر کی ہیں۔ وہ اس میں امیر غریب سب پر حدود کے نفاذ کا حکم، حدود کے حوالے سے سفارش کی ممانعت اور دیگر کئی مسائل زیر بحث لائے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: صحيح البخاري، كتاب الحدود)

اسی حوالے سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مخزومیہ عورت نے قریش کو پریشان کر دیا جس نے چوری کی تھی۔ قریش نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس عورت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو نہیں کر سکتا اور نہ کسی میں جرأت ہی ہے کہ وہ آپ سے اس قسم کی بات کرے، چنانچہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق بات کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ؟» ثُمَّ قَامَ فَخَطَبَ، قَالَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّمَا ضَلَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ الضَّعِيفُ فِيهِمْ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَأَيْمُ اللهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعَ مُحَمَّدٌ يَدَهَا»

''اے اسامہ! کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کرنے آئے ہو؟'' پھر آپ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا، پھر فرمایا: ''اے لوگو! تم سے پہلے لوگ صرف اس لیے گمراہ ہوئے کہ ان میں جب کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے۔ اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

نے بھی چوری کی ہوتی تو محمد (ﷺ) اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتے۔'' (صحيح البخاري، الحدود، حديث:6788)

قرآن مجید نے بھی چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾

''اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت، تم ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دیا کرو، یہ اللہ کی طرف سے اس گناہ کی عبرت ناک سزا ہے جو انھوں نے کیا، اور اللہ نہایت غالب، خوب حکمت والا ہے۔'' (المآئدة5:38)

امام بخاری نے مذکورہ آیت پر صحیح بخاری میں عنوان قائم کیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے بنومخزوم قبیلے کی عورت پر حد نافذ کرکے یہ بتا دیا کہ حدود اور قوانین کے نفاذ میں کسی کا شرف وعزت رکاوٹ بن سکتا ہے، نہ کسی کی سفارش کیونکہ آپ نے اس بارے میں شرفائے قوم اور اسامہ بن زید کی سفارش کو بڑی سختی سے رد کر دیا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں کئی بار چوری کی حد عملی طور پر نافذ کی۔ (صحيح البخاري، كتاب الحدود)

چوری پر حد کے نفاذ نے لوگوں کے مال ومتاع کی حفاظت میں اہم کردار کیا۔ چوروں پر حدود کے نفاذ کی ایسی دھاک بیٹھی کہ رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں چوری نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس معاشرے نے بھی چوری کی حد کا نفاذ کیا، وہاں سے چوری بہت کم ہوگئی اور لوگوں کو اپنے اموال کے بارے میں کسی قسم کا خطرہ باقی نہ رہا۔

اسی طرح قتل کا بدلہ قتل مقرر کیا الا یہ کہ مقتول کے ورثاء معاف کر دیں۔

واضح بات ہے کہ قصاص کے قانون سے لوگ دوسروں کا خون بہانے اور قتل کرنے کا سوچیں گے بھی نہیں۔ کیونکہ جب انھیں علم ہو کہ انھیں بھی بدلے میں قتل کر دیا جائے گا

اور ان کے خون کی کوئی قیمت نہیں پڑے گی تو وہ کسی کا خون کرنے سے پہلے ہزار بار سوچیں گے۔ اس لیے قصاص کو زندگی قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾

''اور اے عقل والو! تمھارے لیے برابر کا بدلہ لینے ہی میں زندگی ہے تاکہ تم (قتل و غارت سے) بچو۔'' (البقرة 179:2)

اسلام نے محاربہ اور زمین میں فساد پھیلانے کی الگ سے حد مقرر کی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد کی کوشش کرتے ہیں، ان کی سزا تو صرف یہ ہے کہ انھیں قتل کیا جائے یا سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیے جائیں یا انھیں جلا وطن کر دیا جائے۔ یہ دنیا میں ان کے لیے ذلت ہے اور آخرت میں ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو اس سے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ، توبہ کرلیں، تو تم جان لو کہ بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔''

(المآئدة 33:5، 34)

رسول اکرم ﷺ امن و امان کی اہمیت اور بدامنی کی اذیت سے خوب واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو آپ نے اپنے دشمنوں کو بھی

امن کی ضمانت دیتے ہوئے اعلان کیا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا وہ پرامن رہے گا، جس نے اپنا دروازہ بند کر لیا اس کے لیے بھی امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو گیا اسے بھی کچھ نہیں کہا جائے گا۔ (دیکھیے ہماری مفصل کتاب کا عنوان ''فتح مکہ'')

نبی ﷺ سمجھتے تھے کہ سکیورٹی کے معاملات لوگوں کی زندگی پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں اس لیے فتح مکہ کے بعد آپ نے پہلے وعظ ہی میں خون بہانے کی حرمت پر زور دیا۔ (السيرة النبوية لابن هشام: 4/415)

اخلاق و آداب کی تعمیر و ترقی

رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت انسانی معاشروں بالخصوص عربی معاشرے کے اخلاق و عادات نہایت بگڑے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے سے بدسلوکی اور دوسرے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا اس معاشرے کی عام روش تھی۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: أخلاق النبي ﷺ في القرآن والسنة، دکتور أحمد بن عبدالعزیز بن قاسم الحداد) رسول اکرم ﷺ نے مکہ کی داخلی صورت حال کو تبدیل کرنے کے لیے نہایت سنجیدہ کوششیں کیں۔ آپ نے اسلام کی نشر و اشاعت کے ساتھ، ادب و آداب، اخلاقیات، باہمی روابط و تعلقات اور ایک دوسرے سے گہرے مراسم رکھنے کا حکم بھی دیا۔ اور اس بات پر زور دیا کہ دینی، معاشرتی اور اخلاقی طور پر انسان کے اولین حق دار اس کی اولاد، آباء و اجداد اور رشتہ دار ہیں۔

قریش نے بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ ﷺ کی مخالفت کی۔ آپ کی دعوت کو روکنے کے لیے آپ اور آپ کے صحابہ سے دشمنی کی۔ انھیں اذیتیں پہنچائیں جس نے آپ کو کوئی دوسری جگہ تلاش کرنے پر مجبور کیا تاکہ وہاں ایسا مسلم معاشرہ تشکیل دے سکیں جو اخلاق و آداب اور ہم آہنگی کے عظیم وصف سے متصف ہو۔ چنانچہ آپ نے پرامن انسانی اسلامی معاشرے کی بنا اور تعمیر و ترقی کے لیے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ وہاں آپ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مؤاخات، بھائی چارے اور محبت و الفت پر قائم

معاشرہ تشکیل دیا۔ آپ نے مؤاخات کا ایسا نظام ترتیب دیا جس سے صاف ستھرا باہم شیر وشکر معاشرہ وجود میں آ گیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾

''اور ان (انصار) کے لیے ہے جنھوں نے (مدینہ کو) گھر بنا لیا تھا اور ان (مہاجرین کی ہجرت) سے پہلے ایمان لا چکے تھے، وہ (انصار) ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کرے، اور وہ اپنے دلوں میں اس (مال) کی کوئی حاجت (طلب اور خواہش) نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دیا جائے اور اپنی ذات پر (ان کو) ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ خود انھیں سخت ضرورت ہو، اور جو کوئی اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں۔'' (الحشر 9:59)

یہ بھائی چارہ اور ہم آہنگی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد والی تمام نسلوں کے درمیان ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾

''اور (فے ان کے لیے ہے) جو ان (مہاجرین و انصار) کے بعد آئے، وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جنھوں نے ایمان لانے میں ہم سے پہل کی، اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی

کینہ نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بہت شفقت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' (الحشر 10:59)

تزکیۂ نفس اور آداب و اخلاق کی تعلیم آپ کی نبوت کا بنیادی مقصد تھا۔ اسی بات کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾

''جیسے ہم نے تم میں ایک رسول تمھی سے بھیجا ہے، وہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت کرتا اور تمھیں پاک کرتا ہے اور تمھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمھیں وہ (باتیں) سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔'' (البقرة 151:2)

ایک مقام پر فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

''وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا، وہ اس کی آیات ان پر تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور بلاشبہ اس سے پہلے تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔'' (الجمعة 2:62)

رسول اکرم ﷺ نے اپنے مختلف فرامین کے ذریعے سے معاشرے کے افراد اور خاندانوں کے تعلقات کو مستحکم کرنے کی ترغیب دلائی۔ (الأدب النبوي، عظات بالغة وَحِكم بالغة لعبد العزيز الخولي)

ارشادِ نبوی ہے:

«اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ»

’’اچھا اخلاق ہی نیکی ہے۔‘‘ (مسند أحمد:250/2)

نیز فرمایا:

«إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقًا»

’’تم میں سے سب سے اچھا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو۔‘‘

(صحيح البخاري، المناقب، حديث:3559)

اسلام نے ماں باپ اور اولاد کے اچھے تعلقات پر بہت زور دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے والدین سے حسن سلوک کا حکم دیا۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ایک نسل کے دوسری نسل سے تعلقات کا بہتر ہونا کسی بھی معاشرے کے لیے ازحد ضروری ہے اور اس کے لیے ہم آہنگی اور صلہ رحمی لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے والدین سے حسن سلوک کو اپنی اطاعت وفرمانبرداری کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝﴾

’’اور تمھارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین سے اچھا سلوک کرو، اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں تیرے ہاں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو تُو ان سے ’’اف‘‘ تک نہ کہہ اور انھیں مت جھڑک، اور ان سے نرم (لہجے میں ادب و احترام سے) بات کر۔ اور ان کے لیے رحم دلی سے عاجزی کے ساتھ اپنا بازو (پہلو) جھکائے رکھ اور کہہ: اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسے انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔‘‘ (بني إسراء يل 17:23، 24)

اسی طرح قرآن مجید نے رشتہ داروں سے حسن سلوک اور صلہ رحمی کا درس دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا﴾

”اور قرابت دار کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو بھی، اور فضول خرچی سے مال نہ اڑا۔“ (بنيٓ إسراء يل 26:17)

خود رسول اکرم ﷺ اخلاق کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اوصاف کریمہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾

”اور یقیناً آپ خُلقِ عظیم پر (فائز) ہیں۔“ (القلم 4:68)

اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے لیے آپ کے اخلاق کریمہ کو بطور مثال ذکر کرکے اسے اپنانے کا حکم دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾

”بلاشبہ یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں ہمیشہ سے بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملاقات) اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔“ (الأحزاب 21:33)

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ»

”مجھے عمدہ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا۔“ (مسند أحمد: 381/2)

نبی ﷺ نہایت متواضع انسان تھے۔ آپ بیماروں کی تیمار داری کرتے۔ جنازوں میں شامل ہوتے۔ لوگوں کی دعوت قبول کرتے اور اگر کوئی آپ کو دیکھ کر کھڑا ہوتا تو اسے ناپسند فرماتے۔ چھوٹوں، بڑوں سب کے ساتھ عجز و انکساری سے پیش آتے۔ اجنبی آدمی آپ کو صحابہ میں بیٹھے ہوئے پہچان نہیں سکتا تھا۔ آپ جود و سخا کے بہتے دریا تھے اور لوگوں کو بھی سخاوت کا حکم فرماتے۔ آپ نہایت فیاض تھے اور فیاضی کا حکم فرماتے۔ آپ نہایت پاک دامن تھے۔ بے نیازی کی زندگی گزاری اور لوگوں کو بھی پاک دامنی اور دوسروں کے مال سے بے نیازی اختیار کرنے کا حکم دیا۔ دلیر تھے، بردبار تھے اور لوگوں کو بھی بردباری کی تعلیم دی۔ نرم مزاج تھے اور نرمی کرنے کا حکم فرماتے۔ نظافت و صفائی کا عالم یہ تھا کہ پسینہ بھی خوشبودار ہوتا اور امت کو بھی صاف ستھرا رہنے کی ترغیب دی۔ ان سب باتوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے وقار، عظمت اور ادب کا ہر آن لحاظ رکھتے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید پر سمجھوتہ نہ کرتے۔ اس کا عبد بن کر رہنا آپ کی سب سے بڑی خواہش تھی۔ آپ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہمیشہ اچھا گمان رکھتے اور اس پر مکمل اعتماد اور بھروسا کرتے۔ خشیت الٰہی آپ کی غذا اور اللہ کی تقسیم آپ کی رضا تھی۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات کے لیے پرامید رہتے۔ اس کے ذکر سے مانوس اور اس کے شکر و عبادت سے مالوف۔ خلوت ہو یا جلوت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ و خشیت آپ کی متاع عزیز تھی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝﴾

”(سچے) مومن تو صرف وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل

ڈر جاتے ہیں، اور جب ان پر اس کی آیتوں کی تلاوت کی جائے تو وہ ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں، اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو نماز قائم کرتے ہیں اور ہم نے انھیں جو رزق دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔" (الأنفال 8:2، 3)

ایک مقام پر فرمایا:

﴿فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ﴾

"بس تم مجھے یاد کرو، میں تمھیں یاد کروں گا اور تم میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔" (البقرة 2:152)

نیز فرمایا:

﴿مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ۚ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا﴾

"تمھیں کیا ہوا ہے کہ اللہ کیلئے وقار (عظمت اور بڑائی) کا عقیدہ نہیں رکھتے؟ حالانکہ یقیناً اس نے تمھیں مختلف مرحلوں میں پیدا کیا ہے۔" (نوح 71:13، 14)

اللہ تعالیٰ ہی کا فرمان ہے:

﴿وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾

"اور (اے نبی!) آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں اور اللہ کی طرف سے (نازل شدہ) قرآن میں سے جو کچھ بھی پڑھتے ہیں، اور تم لوگ جو بھی عمل کرتے ہو، اس وقت ہم تمھیں دیکھ رہے ہوتے ہیں جب تم اس میں مصروف ہوتے

ہو۔ اور آپ کے رب سے ذرہ بھر کوئی چیز بھی چھپی نہیں ہوتی، زمین میں اور نہ آسمان میں، اور نہ کوئی اس سے چھوٹی (چیز) اور نہ بڑی، مگر (وہ) واضح کتاب میں (درج) ہے۔'' (یونس 61:10)

نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ادب اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

«اِسْتَحْيُوا مِنَ اللهِ حَقَّ الْحَيَاءِ». [قَالَ:] قُلْنَا: يَا نَبِيَّ اللهِ! إِنَّا لَنَسْتَحْيِي وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، قَالَ: «لَيْسَ ذَاكَ وَلٰكِنَّ الْاِسْتِحْيَاءَ مِنَ اللهِ حَقَّ الْحَيَاءِ: أَنْ تَحْفَظَ الرَّأْسَ وَمَا وَعٰى، وَ تَحْفَظَ الْبَطْنَ وَمَا حَوٰى، وَ تَتَذَكَّرَ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى، وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ تَرَكَ زِينَةَ الدُّنْيَا، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْيٰ يَعْنِي مِنَ اللهِ حَقَّ الْحَيَاءِ»

''اللہ سے ایسی حیا کرو جیسی اس سے کرنی چاہیے۔'' مخاطبین نے عرض کیا: اللہ کے نبی! ہمیں اللہ کی بہت حیا ہے اور ہر قسم کی تعریف اسی کے لیے ہے۔ آپ نے فرمایا: ''یہ نہیں (یعنی حیا کا مفہوم صرف اسی قدر محدود نہیں ہے، جتنا تم سمجھ رہے ہو) بلکہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق یہ ہے کہ تم سر اور سر میں جو اعضاء (کان، آنکھ، زبان) ہیں، ان سب کی نگہداشت کرو، پیٹ اور اس میں جو کچھ بھرا ہے جس پر وہ مشتمل اور حاوی ہے، ان کی نگرانی کرو۔ موت اور قبر کی شکستگی اور بوسیدگی کو یاد رکھو اور جو انسان آخرت کو مقصود بنائے وہ دنیا کی زیب و زینت کو چھوڑ دے۔ پس جس شخص نے یہ سب کچھ کیا، تو اس نے واقعی حیا کی، یعنی اللہ سے حیا کرنے کا حق ادا کیا۔'' (جامع الترمذي، صفة القيامة، حديث:2458)

ایک حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«فَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَ مِنْهُ مِنَ النَّاسِ»

”اللہ تعالیٰ لوگوں کی نسبت زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔“

(جامع الترمذي، الأدب، حديث:2794)

اللہ تعالیٰ کے ادب کا تقاضا ہے کہ اس کی طرف رجوع کیا جائے، اس سے استغفار کیا جائے اور گناہوں سے فرار اختیار کر کے اس کے حضور پناہ لی جائے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَفِرُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾

”پس تم اللہ کی طرف دوڑو، بلاشبہ میں تمھیں اس کی طرف سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔“(الذاريات 50:51)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَیْهِ تَجْـَٔرُوْنَ﴾

”اور تمھارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے، پھر جب تمھیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی سے تم آہ و زاری کرتے ہو۔“(النحل 53:16)

ایک مقام پر فرمایا:

﴿فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴾

”بس تم مجھے یاد کرو، میں تمھیں یاد کروں گا اور تم میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔“(البقرة 152:2)

اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر جو فضل و احسان اور کرم فرمایا ہے اسے ہر وقت یاد رکھا جائے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝﴾

''جس نے نیک عمل کیے، مرد ہو یا عورت، جبکہ وہ مومن ہو تو ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی بخشیں گے، اور ہم انھیں ضرور ان کا اجر و ثواب ان بہترین اعمال کے بدلے میں دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے۔'' (النحل 97:16)

اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ادب کا مظہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام قرآن مجید کا ادب و احترام کیا جائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝﴾

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے (کان لگا کر) سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔'' (الأعراف 204:7)

جن آداب پر اس امت مسلمہ کی تربیت ہوئی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کا آپ کی زندگی میں اور وفات کے بعد بھی ادب و احترام کیا جائے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝﴾

”اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو، اور تم اللہ سے ڈرو، بلاشبہ اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو، اور آپ سے اونچی آواز میں بات نہ کرو جیسے تم ایک دوسرے سے اونچی آواز میں (بات) کرتے ہو، کہیں تمھارے عمل برباد نہ ہو جائیں، اور تمھیں خبر تک نہ ہو۔ بلاشبہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے جانچ لیا ہے۔ ان کے لیے بڑی بخشش اور بہت بڑا اجر ہے۔ بلاشبہ جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ اور اگر بے شک وہ صبر کرتے، حتیٰ کہ آپ (خود ہی) ان کی طرف نکلتے، تو ان کے لیے بہت بہتر ہوتا، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ (الحجرات49:1-5)

قرآن مجید نے صحابۂ کرام کو نبی ﷺ کے حکم کی تعمیل و اتباع کا حکم دیا اور آپ کی معصیت و نافرمانی سے منع فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾

”تم رسول کے بلانے کو اپنے درمیان ایک دوسرے کو بلانے کے مانند نہ بنا لو، یقیناً اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے آڑ لیتے ہوئے کھسک جاتے ہیں، لہٰذا چاہیے کہ جو لوگ اس (رسول) کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اس (بات) سے ڈریں کہ انھیں (دنیا میں) کوئی آزمائش آ پڑے یا انھیں (آخرت میں) دردناک عذاب پہنچے۔“ (النور24:63)

ایک مقام پر فرمایا:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝﴾

”تو (اے نبی!) آپ کے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے پر ان کے دلوں میں کوئی تنگی نہ آنے پائے اور وہ اسے دل و جان سے مان لیں۔“ (النسآء4:65)

رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ادب و احترام کی تاکید کرتے ہوئے حکم دیا گیا کہ اگر اللہ کے رسول کسی کو کسی جگہ متعین کریں یا کسی اجتماعی کام میں تم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہو تو اجازت لیے بغیر وہاں سے مت جاؤ۔ اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝ لَا تَجْعَلُوْا دُعَاۗءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاۗءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝﴾

”مومن تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، اور جب وہ رسول کے ساتھ کسی جمع کرنے والے کام پر ہوتے ہیں تو آپ سے اجازت لیے بغیر (وہاں سے) نہیں جاتے، (اے نبی!) بلاشبہ جو لوگ آپ سے اجازت

مانگتے ہیں وہی لوگ ہیں جو اللہ اوراس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، تو جب وہ اپنے کسی کام کے لیے آپ سے اجازت مانگیں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دیں، اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت مانگیں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ تم رسول کے بلانے کو اپنے درمیان ایک دوسرے کو بلانے کے مانند نہ بنا لو، یقیناً اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے آڑ لیتے ہوئے کھسک جاتے ہیں، لہٰذا چاہیے کہ جو لوگ اس (رسول) کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اس (بات) سے ڈریں کہ انھیں (دنیا میں) کوئی آزمائش آپڑے یا انھیں (آخرت میں) دردناک عذاب پہنچے۔'' (النور24:62، 63)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے امت کو حکم دیا کہ وہ اپنے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری میں ہرگز کوتاہی نہ کریں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَىِٕنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۭ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝﴾

''بس مومنوں کی تو بات ہی یہ ہے جب وہ اللہ اوراس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں، تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، کہ وہ کہتے ہیں: ہم نے سنا اور اطاعت کی، اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت

کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس کا تقویٰ اختیار کرے، تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔ اور انھوں نے اپنی پکی پکی اللہ کی قسمیں کھائیں، کہ اگر آپ انھیں حکم دیں گے تو وہ (جہاد پر) ضرور نکلیں گے، کہہ دیجیے: تم قسمیں نہ کھاؤ، (تمھاری) اطاعت معروف ہے، بلاشبہ جو عمل تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔ کہہ دیجیے: اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو اس رسول کے ذمے صرف وہ ہے جو اس پر بوجھ ڈالا گیا ہے اور تمھارے ذمے صرف وہ ہے جو تم پر بوجھ ڈالا گیا، اور اگر تم اس (رسول) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے، اور رسول کے ذمے صرف کھلم کھلا پہنچا دینا ہے۔‘‘ (النور24:51-54)

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَيُدْخَلَ الْجَنَّةَ فَلْتَأْتِهِ مَنِيَّتُهُ وَهُوَ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَيَأْتِي إِلَى النَّاسِ مَا يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى إِلَيْهِ»

’’جسے پسند ہو کہ اسے آگ سے دور رکھا جائے اور وہ جنت میں داخل ہو تو اسے چاہیے کہ اس کی موت اس حال میں آئے کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرنے والا ہو۔ اور لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرے جیسا سلوک اپنے ساتھ پسند کرتا ہے۔‘‘ (صحيح مسلم، الإمارة، حديث:1844)

رسول اکرم ﷺ دنیا میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے تھے اور اسی بات کا حکم فرماتے۔ آپ ایسی اعلیٰ صفات کے مالک تھے جن سے نظافت، کھانے پینے، لباس اور وضع قطع میں دوسروں کے جذبات کے احترام کا درس ملتا ہے۔

آپ نے لوگوں میں محبت اور سلام کو عام کرنے کا پیغام دیا۔ ارشادِ نبوی ہے:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَ أَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ» فَسَكَتَ الْقَوْمُ ... قَالَ: «أَحْسَنُكُمْ خُلُقًا»

"کیا تمھیں قیامت کے روز مجلس کے اعتبار سے اپنے سب سے زیادہ قریب اور محبوب ترین آدمی کے بارے میں نہ بتاؤں؟" لوگ خاموش ہو گئے...... آپ ﷺ نے فرمایا: "جو تم میں سے زیادہ اچھے اخلاق والا ہے۔" (مسند أحمد: 186/2)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوا وَلَا تُؤْمِنُوا حَتّٰى تَحَابُّوا أَوَ لَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ، أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ»

"تم جب تک ایمان نہ لاؤ جنت میں نہیں جا سکتے اور جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو ایمان دار نہیں ہو سکتے۔ کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ اگر تم وہ کر لو تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو۔ سلام کو آپس میں عام کرو۔" (صحیح مسلم، الإیمان، حدیث: 54)

رسول اکرم ﷺ بچوں کے پاس سے گزرتے تو بھی سلام کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے اجازت طلب کرنے اور سلام عام کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾

"اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، حتی کہ تم اجازت لے لو، اور ان گھر والوں کو سلام کہو، یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔" (النور 27:24)

قرآن نے معاشرے کی اخلاقی تعمیر و ترقی کے لیے سلام عام کرنے اور لوگوں کے ساتھ عجز وانکساری سے پیش آنے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۝﴾

’’اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی (وقار اور عاجزی) سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے بات کریں تو وہ کہتے ہیں: سلام ہے۔‘‘ (الفرقان 25:63)

ایک مقام پر فرمایا:

﴿وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا۝﴾

’’اور زمین پر اکڑ کر مت چل، بلاشبہ تُو نہ تو کبھی زمین پھاڑ سکتا ہے اور نہ کبھی لمبائی میں پہاڑوں تک پہنچ سکتا ہے۔‘‘ (بنيّ إسراء يل 17:37)

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ۝ۚ وَاقْصِدْ فِىْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ۝﴾

’’اور تو تکبر و غرور سے اپنے رخسار کو لوگوں سے نہ پھیر، اور زمین پر اکڑ کر نہ چل، بے شک اللہ ہر مغرور، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اور تو اپنی چال درمیانی رکھ، اور اپنی آواز دھیمی رکھ، بلاشبہ سب آوازوں سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔‘‘ (لقمان 31:18، 19)

نبی ﷺ ہمیشہ نرمی کا حکم دیتے کیونکہ اس سے معاشرے اور خاندان میں باہمی محبت

کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ»

”اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔“ (صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6024)

اسی طرح نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ»

”بلاشبہ نرمی جس چیز میں بھی ہو، اسے خوبصورت بنا دیتی ہے۔“ (صحيح مسلم، البر، حديث: 2594)

رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کے ساتھ نرمی کا عملی مظاہرہ کر کے دکھایا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ﴾

”پھر (اے نبی!) آپ اللہ کی رحمت کے باعث ان کے لیے نرم ہو گئے۔ اگر آپ بدخلق سخت دل ہوتے تو یقیناً وہ سب آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، بس آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لیے بخشش مانگیں اور ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسا کریں، بے شک اللہ بھروسا کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“ (آل عمران 159:3)

اس نرمی اور شفقت کے ساتھ ساتھ رسول اکرم ﷺ امت سے محبت بھی کرتے تھے اور ان کی کوئی تکلیف انھیں گراں گزرتی اور ہر وقت ان کی بھلائی کے لیے فکرمند رہتے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ﴾

”(لوگو!) بلاشبہ یقیناً تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آ گیا ہے، اس پر تمھارا تکلیف میں مبتلا ہونا گراں (گزرتا) ہے، وہ تمھارے لیے (بھلائی کا) حریص ہے، مومنوں پر نہایت شفیق، بہت رحم کرنے والا ہے۔“ (التوبة 128:9)

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نرمی کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿لَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ اِلٰى مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡهُمۡ وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾

”اور ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو جو مال و متاع دیا ہے اس کی طرف آپ اپنی نظریں ہرگز نہ اٹھائیں اور نہ ان (کی حالت) پر غم کھائیں اور اپنے (پُر شفقت) بازو مومنوں کے لیے جھکائے رکھیں۔“ (الحجر 88:15)

نیز فرمایا:

﴿وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾

”اور جو مومنوں میں سے آپ کی اتباع کریں، ان کے لیے اپنے (مشفقانہ) بازو جھکائے رکھیں۔“ (الشعراء 215:26)

نبی ﷺ رحمت و عطا کا مرقع اور حسن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ آغاز وحی کے بعد آپ کو گھبراہٹ ہوئی تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے آپ کے اوصاف حمیدہ کا یوں تذکرہ کیا:

”ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، لوگوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھاتے ہیں، بے سہارا لوگوں کو کما کر دیتے

ہیں، مہمان نواز ہیں اور ناگہانی آفات میں لوگوں کی نصرت و مدد کرتے ہیں۔“
(صحيح البخاري، بدء الوحي، حديث: 3)

اس میں پوری امت کے لیے وعظ وتاکید ہے کہ
مکارم اخلاق اور اعلیٰ صفات وخوبیاں انسان کو برے انجام سے بچاتے ہیں۔ (أخلاق النبي ﷺ في القرآن و السنة، لأحمد بن عبدالعزيز الحداد) آپ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو بھی عجز و انکساری کا پیکر بن کر، سر مبارک جھکا ہوا تھا اور غرور وتکبر سے کوسوں دور تھے۔ (دیکھیے ہماری مفصل کتاب کا عنوان ”فتح مکہ“)

آپ کو معاشرے کی عام غریب عورت راستے میں روک لیتی تو اسی کی بات سننے کے لیے ٹھہر جاتے۔ بچوں کی باتیں سنتے اور ان کی ضروریات پوری کرتے۔ (صحيح مسلم، باب قرب النبي ﷺ من الناس)

شاید حدیث انس سے اس کی مزید وضاحت ہو جائے، فرماتے ہیں:

”رسول اکرم ﷺ مریض کی تیمارداری کرتے، جنازے میں شریک ہوتے، گدھے پر سوار ہو جاتے اور غلام کی دعوت بھی قبول کر لیتے تھے۔ کہتے ہیں: غزوۂ بنوقریظہ کے روز آپ ایک گدھے پر سوار تھے جس کی لگام کھجور کی چھال کی تھی اور اس کی زین بھی چھال ہی کی تھی۔“ (جامع الترمذي، الجنائز، حديث: 1017)

آپ کسی دوسرے آدمی یا بچے کو اپنے ساتھ سوار کرنے میں عار محسوس نہ کرتے تھے۔ آپ ﷺ اکثر و بیشتر سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے سوار کرتے اور کبھی کبھار اپنی کسی بیوی کو بھی اپنے پیچھے سوار کر لیتے تھے۔ (صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6185)

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ أَوْحَي إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا حَتّٰى لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ»

”اللہ عزوجل نے میری طرف وحی کی ہے کہ تم عجز وانکساری سے کام لو حتی کہ کوئی شخص کسی دوسرے پر برتری کا اظہار نہ کرے۔“ (سنن ابن ماجه، الزهد، حديث:4179)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ہاتھ بٹاتے، لکڑیاں اکٹھی کرتے، دوسرے ساتھیوں کی طرح کام کرتے۔ آپ مسجد نبوی کی تعمیر میں صحابہ کے ساتھ شریک ہوئے۔ اسی طرح آپ گھر کے کام کاج میں گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے۔ حدیث میں ہے:

”(گھر میں) گھر والوں کے کام کاج میں مشغول رہتے۔“ (صحيح البخاري، النفقات، حديث:5363)

آپ نہایت باحیا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی صفتِ حیا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ﴾

”اے ایمان والو! تم نبی کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو اِلَّا یہ کہ تمھیں کھانے کے لیے اجازت دی جائے، اس حال میں کہ (وہاں جاکر) کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو، اور لیکن جب تمھیں دعوت دی جائے تب تم داخل ہو جاؤ، پھر جب کھانا کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ، اور (وہیں) باتوں میں نہ لگے رہو، بلاشبہ تمھاری یہ بات نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تکلیف دیتی ہے، تو وہ تم سے شرماتے ہیں، اور اللہ حق بات سے نہیں شرماتا۔“ (الأحزاب 33:53)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین و دنیا کا توازن قائم رکھنے کی دعوت دی اور اس بات کا درس دیا کہ دنیا اور اس کی زیب وزینت ہی انسان کا مطمحِ نظر اور پہلی ترجیح نہ ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝﴾

''اور جو کچھ اللہ نے تجھے دیا ہے تو اس سے آخرت کا گھر تلاش کر، اور تو دنیا میں بھی اپنا حصہ مت بھول، اور تو (لوگوں سے) ایسے احسان کر جیسے اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے، اور تو زمین میں فساد نہ کر، بے شک اللہ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (القصص 28:77)

رسول اکرم ﷺ کی خواہش ہوتی کہ اپنے صحابہ سے محبت کا اظہار کریں، اس لیے ایک دن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«يَا مُعَاذُ وَاللهِ إِنِّي لَأُحِبُّكَ، أُوصِيكَ يَا مُعَاذُ لَا تَدَعَنَّ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ أَنْ تَقُولَ اَللّٰهُمَّ أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ»

''اے معاذ! اللہ کی قسم میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اے معاذ! میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا ہرگز نہ چھوڑنا: اَللّٰهُمَّ ...... اے اللہ! اپنے ذکر، شکر اور حسنِ عبادت پر میری مدد فرما۔'' (مسند أحمد:245/5)

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَحَبَّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُعْلِمْهُ»

''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے محبت کرے تو اسے آگاہ کردے۔'' (مسند أحمد:30/4)

اسی طرح آپ ہر وہ کام کرنے کی ترغیب دیتے جو محبت بڑھانے کا باعث ہو، جیسے دوسروں کی زیارت کے لیے جانا، تحائف کا تبادلہ وغیرہ۔ (جامع الترمذي، البر والصلة،

حدیث: 1953) اور دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَ تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ صَدَقَةٌ»

''تیرا اپنے بھائی کو دیکھ کر مسکرانا بھی صدقہ ہے۔'' (جامع الترمذي، البر والصلة، حديث: 1956، و ابتسامات نبوية، لعبد الله نجيب سالم)

آپ ﷺ نے اپنی امت کو تعلیم دی کہ وہ ایک دوسرے کو بہتر انداز سے سلام کا جواب دیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝﴾

''اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا وہی الفاظ لوٹا دو، بے شک اللہ ہر چیز کا خوب حساب لینے والا ہے۔'' (النسآء 4:86)

محدثین نے اپنی کتابوں میں سلام کی فضیلت و اہمیت اور اس کا اسلام کا حصہ ہونے پر مستقل ابواب قائم کیے ہیں۔

قرآن کریم نے لوگوں کو منع کیا ہے کہ وہ رنگ و نسل کی بنا پر ایک دوسرے پر فخر کریں اور دوسرے کو حقیر سمجھتے ہوئے اپنی برتری کا احساس جتلائیں کیونکہ ان کی اصل ایک ہی ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے کا مذاق اڑانے سے بھی منع کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاۗءٌ مِّنْ نِّسَاۗءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ

اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡہِ مَیۡتًا فَکَرِہۡتُمُوۡہُ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیۡمٌ ۝ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ وَّ اُنۡثٰی وَ جَعَلۡنٰکُمۡ شُعُوۡبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوۡا ؕ اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ۝﴾

”اے ایمان والو! مردوں کی کوئی جماعت دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائے، ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں)، ہوسکتا ہے کہ وہ (عورتیں) ان سے بہتر ہوں، اور تم آپس میں (ایک دوسرے پر) عیب نہ لگاؤ، اور تم ایک دوسرے کو برے القاب سے نہ پکارو، ایمان (لانے) کے بعد فاسقانہ نام (سے پکارنا) برا ہے۔ اور جس نے توبہ نہ کی، تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ اے ایمان والو! بہت سی بدگمانیوں سے بچو، بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ اور تم ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو، اور نہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت کرے، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، پس (ظاہر ہے کہ) تم اسے ناپسند کرتے ہو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور ہم نے تمھارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بلاشبہ اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا (وہ ہے جو) تم میں سے زیادہ متقی ہے، بلاشبہ اللہ بہت علم والا، خوب باخبر ہے۔“ (الحجرات 49:11-13)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی باہمی اخوت اور بھائی چارے پر زور دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ۝﴾

”مومن تو (ایک دوسرے کے) بھائی ہیں، لہٰذا تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرادو، اورتم اللہ سے ڈرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“ (الحجرات 10:49)

باہمی اختلاف کی صورت میں فریقین میں صلح کرانے اور زیادتی کرنے والے کے خلاف اس وقت تک کھڑے رہنے کا حکم دیا جب تک وہ باز نہیں آجاتا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِن طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا ۖ فَإِن بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِن فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۖ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾

”اور اگر مومنوں کے دوگروہ آپس میں لڑ پڑیں تو تم ان کے درمیان صلح کرادو، پھر اگر (ان) دونوں میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو تم اس سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے، حتی کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پھر اگر وہ لوٹ آئے تو تم ان دونوں کے درمیان عدل (حق) کے ساتھ صلح کرادو، اورتم انصاف کرو، بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“ (الحجرات 9:49)

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے غیبت سے بھی منع فرمایا۔ (سنن أبي داود، الأدب، حديث:4880)

اس کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کو حقیر جاننے کو بھی بہت بڑا گناہ قرار دیا۔ ارشادِ نبوی ہے:

«بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ»

”کسی آدمی کے برا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔“ (صحيح مسلم، البر و الصلة، حديث:2564)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾

''اور تو تکبر و غرور سے اپنے رخسار کو لوگوں سے نہ پھیر، اور زمین پر اکڑ کر نہ چل، بے شک اللہ کسی مغرور، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔'' (لقمان 31:18)

اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے عفو و درگزر کرنے کا حکم بھی دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! قتل ہو جانے والوں (کے معاملے) میں تم پر برابر کا بدلہ لینا فرض کر دیا گیا ہے۔ آزاد، آزاد کے بدلے، غلام، غلام کے بدلے اور عورت، عورت کے بدلے، پھر جس (قاتل) کو اسکے بھائی (مقتول کے ولی) کی طرف سے کچھ (قصاص) معاف کردیا جائے تو معروف طریقے سے اتباع (دیت کا مطالبہ) ہو اور اچھے طریقے سے اسے (دیت کی) ادائیگی ہو۔ یہ تمھارے رب کی طرف سے ایک قسم کی آسانی اور رحمت ہے، پھر اس کے بعد جس شخص نے زیادتی کی تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' (البقرۃ 2:178)

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ښ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

’’اور تم میں سے فضل اور وسعت والے، قرابت داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (مالی مدد) دینے سے قسم نہ کھائیں اور چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمھاری مغفرت فرمائے، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔‘‘ (النور 22:24)

ایک مقام پر یوں فرمایا:

﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾

’’اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، پھر جو معاف کر دے اور اصلاح کر لے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے، بلاشبہ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔‘‘ (الشوریٰ 40:42)

درج ذیل ارشادِ باری میں بھی یہی درس دیا گیا:

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝﴾

’’اور نیکی اور برائی برابر نہیں ہو سکتیں، آپ (برائی کو) ایسی بات سے ٹال دیجیے جو احسن ہو، تو (آپ دیکھیں گے) یکایک وہ شخص کہ آپ کے اور اس کے درمیان دشمنی ہے، (ایسا ہو جائے گا) جیسے گرم جوش جگری دوست ہو۔‘‘ (فصلت 34:41)

ایک مقام پر فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾

’’وہ لوگ جو خوشی اور سختی کے موقع پر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں۔ اور اللہ نیکوکاروں کو پسند

کرتا ہے۔'' (آل عمران 134:3)

مساوات، دوسروں کی عزت و توقیر، جھگڑنے والوں میں صلح و صفائی کا مقصد ایک متحد اور باہم شیر و شکر اسلامی معاشرے کا قیام ہے جو اعلیٰ اخلاقی اقدار کا حامل ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾

''ان کی اکثر خفیہ سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی مگر جو شخص صدقے یا نیکی یا لوگوں کے درمیان صلح کا حکم دے (تو یہ اچھی بات ہے) اور جو کوئی اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ایسا کرے، تو ہم اسے جلد بہت بڑا اجر عطا کریں گے۔'' (النسآء 114:4)

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو رحمت کرنے کا خصوصی حکم دیا اور لوگوں کو تلقین کی کہ وہ ایک دوسرے کو رحمت کی وصیت کریں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾

''پھر وہ ان لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور انھوں نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی وصیت کی۔'' (البلد 17:90)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«وَ إِنَّمَا يَرْحَمُ اللهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ»

''اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف رحم کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے۔''

(صحيح البخاري، الجنائز، حديث: 1284)

نیز فرمایا:

«اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ»

”تم اہلِ زمین پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔“ (جامع الترمذي، البر والصلة، حديث: 1924)

نبی ﷺ نے مسلمانوں کو باہم رحمت و شفقت کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیا، نیز تنبیہ فرمائی کہ مسلمان معاشرے کا یہ شعار ہونا چاہیے۔ ارشادِ نبوی ہے:

«مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى»

”باہمی مودت، رحمت اور شفقت میں اہلِ ایمان کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ جب جسم کا کوئی ایک حصہ متاثر ہو تو پورا جسم بے چینی اور بخار کا شکار ہو جاتا ہے۔“ (صحيح مسلم، البر والصلة، حديث: 2586)

نماز اسلام کا بنیادی رکن اور بہت اہم فریضہ ہے لیکن اس کے باوجود دوران نماز اگر کوئی بچہ روتا تو رسول اکرم ﷺ نماز مختصر کر دیتے۔ سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي لَأَدْخُلُ فِي الصَّلَاةِ فَأُرِيدُ إِطَالَتَهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ، فَأَتَجَوَّزُ مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ»

”میں نماز شروع کرتا ہوں اور میرا ارادہ لمبی قراءت کا ہوتا ہے، پھر میں کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو قراءت اس لیے مختصر کر دیتا ہوں کہ اس کی ماں کو اس کے رونے سے رنج پہنچے گا۔“ (صحيح البخاري، الأذان، حديث: 710)

نبی ﷺ غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ نہایت رحمت و شفقت سے پیش آتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی آزادی کو قربِ الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ قرار دیا۔ کئی امور کے کفارے کے لیے غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے وقت تمام شریعتوں اور قوانین میں غلام رکھنے کی عام اجازت تھی۔ اسلام نے اس کے لیے کڑی شرائط لگا کر تقریباً یہ دروازہ بند کر دیا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ»

''تمھارے غلام بھی تمھارے بھائی ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے تمھارے ماتحت کر دیا ہے۔ اس لیے جس کا کوئی بھائی اس کے قبضے میں ہو۔ اسے چاہیے کہ اسے بھی وہی کھلائے جو خود کھائے اور وہ پہنائے جو خود پہنتا ہے۔ اور ان پر ایسے کاموں کا بوجھ نہ ڈالو جو ان کی طاقت سے باہر ہوں اور اگر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالو تو پھر ان کی خود بھی مدد کر دیا کرو۔'' (صحيح البخاري، الإيمان، حديث: 30)

اسلام نے رحمت و شفقت کو صرف انسانوں تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسلام کے قوانین جانوروں کے حقوق کا بھی تحفظ کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے انھیں چارہ ڈالنے، ان پر رحم کرنے، انھیں اذیت نہ دینے، بلاوجہ قتل نہ کرنے کا حکم دیا اور تاکید کی کہ اگر بوقت ضرورت انھیں ذبح کرنا پڑے تو بھی رحمت کا مظاہرہ ہونا چاہیے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ أَجْرٌ»

''ہر زندہ جگر کی خدمت میں اجر و ثواب ہے۔'' (صحيح البخاري، المظالم و الغضب، حديث:2465)

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«دَخَلَتِ امْرَأَةٌ النَّارَ فِي هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا، فَلَمْ تُطْعِمْهَا، وَلَمْ تَدَعْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ»

''ایک عورت بلی کی وجہ سے آگ میں چلی گئی۔ اس نے اسے باندھے رکھا یہاں تک کہ وہ مرگئی تو اس وجہ سے وہ آگ میں داخل ہوئی۔ جب اس نے اسے باندھا تو اسے بھوکا پیاسا رکھا، اسے کھانے پینے کے لیے کچھ نہ دیا اور نہ اسے چھوڑا کہ وہ حشرات الارض کھا کر گزارہ کرتی۔'' (صحيح البخاري، بدء الخلق، حديث: 3318)

ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ مَنِ اتَّخَذَ شَيْئًا فِيهِ رُوحٌ غَرَضًا»

''اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس آدمی پر جس نے کسی ذی روح کو باندھ کر نشانہ بنایا۔''

(مسند أحمد: 216/1)

یہ وہ تعلیمات ہیں جو اسلام نے اپنے ماننے والوں کو جانوروں کے حقوق کے حوالے سے اس وقت دیں جب دنیا کی تہذیبوں میں اس کا تصور تک نہ تھا۔ جانوروں کے ساتھ اس قدر رحمت و شفقت کا درس یہ اسلام ہی کا خاصا ہے۔ جو مذہب جانوروں کے حقوق کا محافظ ہو، انسان کی قدر و قیمت اس کے نزدیک کتنی زیادہ ہوگی؟!

اسلام نے لوگوں کی مدد کرنے اور محتاجوں کا دست و بازو بننے کی خوب تاکید کی اور بلاامتیاز مرد و خواتین کسی کو اذیت نہ پہنچانے کا درس دیا۔ سورۂ نور میں اس موضوع کو

بڑے مؤثر انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ۝﴾

''اور تم میں سے فضل اور وسعت والے، قرابت داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (مالی مدد) دینے سے قسم نہ کھائیں اور چاہیے کہ وہ معاف کردیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمھاری مغفرت فرمائے، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ بلاشبہ جو لوگ پاک دامن، بے خبر مومن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی، اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پیر ان کے خلاف، ان اعمال کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے۔ اس دن اللہ انھیں پورا پورا، ان (کے حساب کتاب) کا ٹھیک بدلہ دے گا (جس کے وہ مستحق ہیں) اور وہ جان لیں گے کہ بیشک اللہ ہی حق ہے، (حق) بیان کرنے والا ہے۔'' (النور24:22-25)

قرآن کریم نے پڑوسی سے اچھا برتاؤ کرنے اور اس سے حسن سلوک سے پیش آنے کی خصوصی تاکید کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي

الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ

''اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، رشتہ دار پڑوسی، اجنبی پڑوسی، ساتھ رہنے والے اور مسافر کے ساتھ اور اپنی ملکیت کنیزوں اور غلاموں سے بھی نیکی کرو۔ بے شک اللہ ہر اکڑنے والے، غرور کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔'' (النسآء 36:4)

اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ»

''جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ پہنچائے۔'' (صحيح البخاري، النكاح، حديث: 5185)

ایک حدیث میں فرمایا:

«مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ»

''جبریل مجھے ہمسائے کے بارے میں مسلسل نصیحت وتاکید کرتے رہے حتی کہ مجھے خدشہ گزرا کہ وہ اسے وارث ہی قرار دے دیں گے۔'' (صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6015)

اسی طرح فرمایا:

«وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ، فَقِيلَ وَمَنْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: الَّذِى لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ»

''اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ ایمان دار نہیں۔'' پوچھا گیا: کون اللہ کے

رسولﷺ! فرمایا: ”جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہیں۔“ (صحيح البخاري، الأدب، حديث: 6016)

شریعت مطہرہ میں صرف مسلمان پڑوسی ہی کا خیال رکھنے کا حکم نہیں ہے بلکہ بڑے واضح اور دوٹوک احکامات کے ذریعے سے غیر مسلم پڑوسیوں کا خیال رکھنے اور ان سے اچھا برتاؤ کرنے کی ترغیب ہے، بشرطیکہ وہ حربی کافر (جن کے ساتھ جنگ ہو) نہ ہوں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝﴾

”اللہ تمھیں ان لوگوں سے نہیں روکتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور انھوں نے تمھیں تمھارے گھروں سے نہیں نکالا، کہ تم ان سے بھلائی کرو اور ان سے انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“ (الممتحنة 8:60)

اسی طرح دشمن اگر قیدی بن کر مسلمان کے پاس آجائے تو اس سے بھی حسن سلوک کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰي حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاۗءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝﴾

”اور وہ کھانا، اس کی محبت کے باوجود، مسکینوں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں:) بس ہم تو تمھیں اللہ کی خاطر کھانا کھلاتے ہیں، ہم تم سے کوئی جزا اور شکریہ نہیں چاہتے۔“ (الدهر 76:9، 9)

نبی ﷺ نے غزوۂ بدر میں قید ہونے والے مشرکین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا تو مسلمان جو خود کھاتے وہی انھیں کھلاتے۔ اور ان کے ساتھ ایسا عمدہ برتاؤ کیا جو بعد ازاں ان کے مسلمان ہونے کا باعث بنا۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: سیرت پر ہماری مفصل کتاب کا عنوان ''غزوۂ بدر'')

جن بہترین اخلاقیات پر اس امت کی تعمیر و ترقی ہوئی وہ سخاوت، عطا کرنے اور نوازنے کی خوبیاں ہیں۔ امت مسلمہ کا فیضان کئی شعبوں میں معروف ہے۔ مالی عطیات زکاۃ کی صورت میں ہوں یا صدقات کی صورت میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر اسے نماز کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۝ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝ ﴾

''بے شک انسان کو نہایت بے صبرا (تھڑ دِلا) پیدا کیا گیا۔ جب اسے شر پہنچے تو بہت گھبرا جاتا ہے۔ اور جب اسے خیر ملے تو نہایت روکنے والا (کنجوس) بن جاتا ہے۔ مگر وہ نمازی۔ جو اپنی نماز پر ہمیشگی کرنے والے ہیں۔ اور وہ جن کے مالوں میں ایک حق مقرر ہے۔ سوالی اور محروم کا۔ اور وہ جو یوم جزا کی تصدیق کرتے ہیں۔'' (المعارج 70:19-26)

نیز فرمایا:

﴿ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ۝

﴿وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ۝ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۝﴾

”پس جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور ڈرتا رہا۔ اور اس نے نیک بات کی تصدیق کی۔ تو یقیناً ہم اسے آسان (راہ) کی توفیق دیں گے۔ اور لیکن جس نے کنجوسی کی اور بے پروا ہوا۔ اور اس نے سب سے اچھی بات کو جھٹلا دیا۔ تو یقیناً اسے ہم تنگی کی (راہ کی) سہولت دیں گے۔ اور جب وہ (دوزخ میں) گرے گا تو اسے اس کا مال کوئی فائدہ نہ دے گا۔ بے شک ہدایت دینا ہمارے ہی ذمے ہے۔ اور بے شک آخرت اور دنیا ہمارے ہی اختیار میں ہے۔“ (اللیل 92:5-13)

ایک مقام پر فرمایا:

﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝﴾

”(اے نبی!) لوگوں کو ہدایت دینا آپ کی ذمہ داری نہیں، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور تم اپنے مال میں سے جو خرچ کرو، وہ تمھارے اپنے فائدے کے لیے ہے اور تم جو کچھ خرچ کرتے ہو وہ اللہ کی رضا حاصل کرنے ہی کے لیے کرتے ہو اور تم اپنے مال میں سے جو خرچ کرو گے اس کا تمھیں پورا پورا صلہ دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“ (البقرۃ 2:272)

نیز فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا

بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۗ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ہم نے تمھیں جو کچھ دیا اس میں سے خرچ کرو، اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ خرید و فروخت ہو گی اور نہ کوئی دوستی یا سفارش ہی کام آئے گی اور کفر کرنے والے ہی ظالم ہیں۔'' (البقرة 2:254)

سخاوت و فیاضی کے متعلق رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ جَوَّادٌ يُحِبُّ الْجُودَ»

''اللہ تعالیٰ بہت سخی ہے اور سخاوت کو پسند کرتا ہے۔'' (جامع الترمذي، الأدب، حديث:2799، و صحيح الجامع الصغير، حديث:1744)

کینہ، بغض، حسد اور مال کی خاطر لڑائی جھگڑے سے دور رہنے کے لیے فرمایا:

«اِتَّقُوا الشُّحَّ فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَمَلَهُمْ عَلٰى أَنْ سَفَكُوا دِمَآءَهُمْ وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ»

''انتہائی درجہ بخل سے بچو کیونکہ اسی بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو تباہ کیا۔ اسی نے ان کو ایک دوسرے کا خون بہانے اور حرمتیں پامال کرنے پر آمادہ کیا۔'' (صحيح مسلم، البر و الصلة، حديث:2578)

یہ ہدایات جو نبی کریم ﷺ نے امت کی تعمیر اور جود و سخا کی اعلیٰ صفات پر مبنی معاشرے کی تشکیل کے لیے دیں، ان کا عملی مظہر آپ کی سیرت طیبہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ آپ روئے زمین کے سب سے بڑے فیاض تھے۔ آپ نے ہمیشہ صدقہ کرنے کی ترغیب دی خواہ معمولی ہی کیوں نہ ہو۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ»

”آگ سے بچو خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے (کے صدقے) کے ذریعے سے ہو۔“

(صحيح البخاري، الزكاة، حديث: 1417)

رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں مسلمان ایک دوسرے سے بڑھ کر صدقہ و خیرات کرتے اور ضرورت مندوں پر خرچ کرنا، لشکروں کو تیار کرنا اور انھیں سامان مہیا کرنا اور آپ ﷺ کے مہمانوں کی عزت و تکریم کرنا، ان سب امور کو باعثِ شرف سمجھا جاتا تھا۔ ان میں سرفہرست سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے، جنھوں نے غزوۂ تبوک کے موقع پر لشکر کے ایک بڑے حصے کے لیے ساز و سامان مہیا کیا تھا۔ (دیکھیے سیرت پر ہماری مفصل کتاب کا عنوان ”غزوۂ تبوک“)

اسی طرح عہد کی پاسداری رسول اکرم ﷺ کی سیرت کا روشن پہلو تھا اور عام مسلمان بھی اس خوبی سے متصف تھے۔ رسول اکرم ﷺ اپنے دوستوں اور دشمنوں، سب سے وفائے عہد کرتے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾

”نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو بلکہ اصل نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، (آسمانی) کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لائے اور مال کی محبت کے باوجود اُسے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں اور گردنیں چھڑانے کے لیے خرچ کرے،

اور نماز قائم کرے اور زکاۃ دے اور (نیکی ان کی بھی ہے جو) جب عہد کر لیں تو اپنا عہد پورا کریں اور تنگدستی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت صبر کریں، وہی لوگ سچے اور وہی پرہیز گار ہیں۔" (البقرة 2:177)

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! معاہدے پورے کرو، تمھارے لیے چوپائے مویشی حلال کیے گئے ہیں، سوائے ان کے جن کے نام تمھیں پڑھ کر سنا دیے جائیں گے، جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار کو حلال نہ جانو، بے شک اللہ جو چاہتا ہے، فیصلہ کرتا ہے۔" (المآئدة 5:1)

رسول اکرم ﷺ نے مدینہ کے گردونواح میں کئی قبائل سے مصالحت اور معاہدے کیے اور ان کے ساتھ کیے ہوئے معاہدوں کی پاسداری بھی کی جیسے مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد یہودیوں سے معاہدہ کیا۔ آپ اس عہد و پیمان پر قائم رہے۔ یہاں تک کہ یہودیوں نے خود خیانت کی۔ اسی طرح قریش مکہ سے صلح حدیبیہ کے موقع پر معاہدہ کیا اور ان سے بھی معاہدے کی پاسداری کی اگرچہ یہ معاہدہ بظاہر کئی کمزور مسلمانوں کے ساتھ ظلم تھا۔ (سنن أبي داود، حديث: 2758) لیکن اگر دوسرا فریق معاہدہ توڑے تو پھر اسلام اسے ختم کرنے کو جائز قرار دیتا ہے، تاہم اس صورت میں بھی اسلام اعلانیہ معاہدہ ختم کرنے کا درس دیتا ہے نہ کہ خفیہ طریقے سے، جیسا کہ کفار کرتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾

''اور اگر آپ کو کسی قوم کی طرف سے خیانت (بدعہدی) کا خوف ہو تو برابری (کی سطح) پر ان کا عہد ان کے منہ پر دے ماریں۔ بے شک اللہ خیانت (بدعہدی) کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔'' (الأنفال 8:58)

اسلام، دشمنوں سے کیے معاہدے بھی پورے کرنے کا حکم دیتا ہے تاوقتیکہ ان کی مدت ختم ہو جائے جیسا کہ سورۂ توبہ میں آیا ہے:

﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ڏ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾

''(اے مسلمانو!) جن مشرکین سے تم نے عہد کر رکھا تھا، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان سے (اعلان) براءت ہے۔ تو (اے مشرکو!) تم زمین میں چار ماہ چل پھر لو، اور جان لو کہ بیشک تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ یقیناً اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔ اور حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے تمام لوگوں کے لیے اعلان ہے کہ بلاشبہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بری ہیں، لہٰذا (اے مشرکو!) اگر تم توبہ کر لو تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے اور اگر تم نے (حق سے) منہ موڑے رکھا تو جان لو کہ یقیناً تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔

اور (اے نبی!) آپ ان کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں۔ لیکن جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا ہے، پھر انھوں نے تمھارے حق میں کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمھارے مقابلے میں کسی کی مدد کی تو ان سے (مقررہ) مدت تک ان کا عہد پورا کرو۔ بے شک اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔'' (التوبۃ 9:1-4)

امانت کو بروقت اور صحیح ادا کرنا بھی اخلاق اعلیٰ کی وہ اساس اور بنیاد ہے جس کی اسلام نے اپنے ماننے والوں کو تاکید کی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾

''بلاشبہ ہم نے (اپنی) امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تو انھوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور وہ اس سے ڈر گئے، اور وہ (امانت) انسان نے اٹھالی، یقیناً وہ بڑا ظالم اور بہت جاہل ہے۔'' (الأحزاب 33:72)

بعثت سے قبل رسول اکرم ﷺ کی ذات بابرکات مشرکین مکہ کے ہاں صداقت و امانت کے لیے ضرب المثل کا درجہ رکھتی تھی۔ لوگ آپ کو صادق و امین کہہ کر پکارتے تھے۔ آپ ﷺ کی سچائی اور کردار اور حسن اخلاق کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِيْ جَاۗءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾

''اور جو شخص سچائی لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی، یہی لوگ متقی ہیں۔'' (الزمر 39:33)

رسول اکرم ﷺ سچائی اختیار کرنے پر زور دیتے اور اسی پر لوگوں کی تربیت کرتے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وَ إِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَ يَتَحَرَّى الصِّدْقَ، حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيقًا، وَ إِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَ إِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِى إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَ يَتَحَرَّى الْكَذِبَ، حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا»

''تم صدق پر قائم رہو کیونکہ صدق نیکی کے راستے پر چلاتا ہے اور نیکی جنت کے راستے پر چلاتی ہے۔ انسان مسلسل سچ بولتا رہتا ہے اور کوشش سے سچ پر قائم رہتا ہے، حتی کہ وہ اللہ کے ہاں سچا لکھ لیا جاتا ہے، اور جھوٹ سے دور رہو کیونکہ جھوٹ کج روی کے راستے پر چلاتا ہے اور کج روی آگ کی طرف لے جاتی ہے، انسان مسلسل جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کا قصد کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسے جھوٹا لکھ لیا جاتا ہے۔'' (صحيح مسلم، البر و الصلة، حديث:2607)

اسی طرح آپ ﷺ نے جھوٹ سے ڈرایا۔ فرمایا:

«آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَ إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ»

''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب اسے امانت دی جائے تو خیانت کرے۔''

(صحيح البخاري، الإيمان، حديث:33)

جہاں تک خاندانی معاشرتی اخلاق وآداب کا تعلق ہے تو اسلام نے اس بارے میں اختلاف کے امکانات اور رشتہ داریوں کی پیچیدگیوں کو سامنے رکھ کر قوانین وضع کیے ہیں۔ اور اس بارے میں قوانین اور ان کے انطباق کے لیے ذاتی اور خاندانی احوال کا

لحاظ رکھا ہے، لہٰذا نکاح، طلاق، نان و نفقہ، تربیت اولاد اور ذمہ داریوں کے تعین میں بڑے واضح اور شفاف اصول وضوابط مقرر کیے۔ اس میں فریقین کے حقوق کا اس طرح لحاظ رکھا گیا کہ کوئی کسی دوسرے پر ظلم و زیادتی نہ کر سکے اور کسی فریق کے حقوق متأثر نہ ہوں۔ ان قوانین اور اصول وضوابط کو توڑنے اور ان سے تجاوز کرنے سے بڑی سختی سے منع کیا۔

سورۂ بقرہ آیت 226 تا 237 میں ان قوانین اور ضابطوں کو بڑی تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اس کا مطالعہ مفید رہے گا۔

اسی طرح شادی کی ابتدا، یعنی منگنی سے لے کر علیحدگی تک کے تمام قواعد وضوابط جو رشتہ ازواج سے متعلق ہیں سب بیان کر دیے گئے ہیں اور میاں بیوی کو حسن معاشرت کا حکم دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمھارے لیے حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ، اور تم انھیں اس لیے نہ روک رکھو کہ تم نے انھیں جو مہر دیا ہو، اس کا کچھ حصہ واپس لے لو، مگر اس صورت میں (انھیں روکنا جائز ہے) اگر وہ کھلی بے حیائی کا کام کریں۔ اور تم ان کے ساتھ اچھے طریقے سے گزر بسر کرو، پھر اگر تم ان کو ناپسند کرو تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت بھلائی ڈال دے۔“ (النسآء 19:4)

اللہ تعالیٰ نے معاشرے میں عورت کے تقدس اور مقام و مرتبہ کو نمایاں کرنے کے لیے قرآن مجید کی ایک سورت کا نام سورۂ نساء رکھا۔ اسی طرح عورت کو ماں کے روپ میں سب سے قیمتی متاع قرار دے کر اسے انسان کے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار قرار دیا۔ بیوی کی صورت میں باعث سکون قرار دے کر زوجین میں محبت و مودّت اور رحمت و شفقت پیدا فرمائی جو محض محبت سے کہیں بڑھ کر ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾

”اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اور اس نے تمھارے درمیان محبت اور مہربانی پیدا کر دی، بلاشبہ اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً عظیم نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔“ (الروم 21:30)

خاوند کو بیوی سے الفت کرنے اور بیوی کو خاوند کی اطاعت کرنے کا حکم دیا۔ (فن تعامل النبي ﷺ في الحياة الزوجية، للكمداني، ص: 60) شریعت اسلامیہ نے رشتہ ازواج سے باہر جنسی تعلق کو حرام قرار دیا ہے کیونکہ اس طرح مرد پر ایک ایسے بچے کا بوجھ ڈال دیا جاتا ہے جو درحقیقت اس کا نہیں ہے اور رشتہ ازواج بھی کمزور ہو جاتا ہے۔ جسمانی بیماریوں کے علاوہ میاں بیوی کے درمیان نفرت پیدا ہوتی ہے جس وجہ سے اس رشتے کو قائم رکھنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اسلام نے نہ صرف زنا کو کبیرہ گناہ قرار دیا ہے بلکہ مرد و عورت ہر ایک کو نگاہ نیچی رکھنے کا حکم بھی دیا ہے۔ اور صرف اپنے خاوند یا بیوی اور محرم رشتوں کو دیکھنے کی اجازت دی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰي جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَاۗءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَاۗىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰي عَوْرٰتِ النِّسَاۗءِ ۠ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝﴾

’’(اے نبی!) آپ مومن مردوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے بہت پاکیزہ (عمل) ہے، بلاشبہ اللہ اس سے خوب باخبر ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اور آپ مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو (ازخود) اس میں سے ظاہر ہو، اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں، اور اپنا بناؤ سنگار ظاہر نہ کریں، مگر اپنے خاوندوں پر یا اپنے باپ دادا پر، یا اپنے خاوندوں کے باپ دادا پر، یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں (سوتیلے بیٹوں) پر، یا اپنے بھائیوں پر، یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی (مسلمان) عورتوں پر، یا اپنے دائیں ہاتھ کی ملکیت (کنیزوں) پر، یا عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والے نوکر چاکر مردوں پر، یا ان

لڑکوں پر جو عورتوں کے پردوں (کی چیزوں) سے واقف نہ ہوں، اور وہ (عورتیں) اپنے پاؤں (زور سے زمین پر) مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انھوں نے چھپا رکھی ہے وہ (لوگوں کو) معلوم ہو جائے، اور اے مومنو! تم سارے ہی اللہ سے توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔" (النور24:30، 31)

ان آیات میں جس طرزِ عمل اور اخلاق کو اپنانے کا درس ہے۔ یہ میاں بیوی کو اس قدر پاکیزہ بنا دیتے ہیں کہ وہ کسی غیر کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے۔ غیر محرم کو دیکھنے سے اس لیے منع کیا تاکہ یہ نظر بازی حرام تعلقات کا سبب نہ بن جائے۔ میاں بیوی کے رشتے میں اعتماد کو قائم رکھنے کے لیے یہ سب حفاظتی تدابیر ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے جہاں مسلم معاشرے کی عمدہ اور اعلیٰ اخلاق پر تشکیل کی وہیں انھیں برے اخلاق سے دور رہنے کا حکم بھی دیا۔ ان برے اخلاق میں سے لوگوں پر ظلم کرنا بھی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا﴾

"(اللہ فرمائے گا: اے کافرو!) یقیناً انھوں نے تو تمھیں، جو تم کہتے تھے، جھٹلا دیا، لہٰذا اب نہ تم (اپنے آپ سے عذاب) ٹالنے کی طاقت رکھتے ہو اور نہ (کسی سے) مدد (لے سکتے ہو)، اور تم میں سے جو شخص ظلم (شرک) کرے گا تو اسے ہم بہت بڑا عذاب چکھائیں گے۔" (الفرقان25:19)

اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ»

"مظلوم کی بددعا سے بچو کیونکہ اس کی دعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی رکاوٹ

نہیں ہوتی۔" (صحيح البخاري، المظالم، حديث:2448)

اسی طرح اسلام نے حسد سے ڈرایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝ ﴾

"کیا وہ اس پر لوگوں سے حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا ہے؟ تو یقیناً ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی اور انھیں بہت بڑی بادشاہی دی۔" (النسآء4:54)

اسی طرح دھوکا اور خیانت سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

«مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا»

"جس نے ہمارے ساتھ دھوکا اور خیانت کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"
(صحيح مسلم، الإيمان، حديث:101)

اسی طرح قرآن مجید میں ریاکاری کی تباہ کاریاں ذکر کی گئی ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝ ﴾

"چنانچہ بہت بڑی تباہی ہے ان نمازیوں کے لیے۔ وہ جو اپنی نماز سے غفلت کرتے ہیں۔ وہ جو دکھاوا کرتے ہیں۔ اور (لوگوں کو) استعمال کی معمولی چیزیں بھی دینے سے انکار کرتے ہیں۔" (الماعون107:4-7)

رسول اکرم ﷺ نے ریاکاری سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ، قَالُوا: وَمَا الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ: الرِّيَاءُ»

”مجھے تم پر جس چیز کا سب سے زیادہ خدشہ ہے، وہ شرک اصغر ہے۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! شرک اصغر کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ریا کاری۔“
(مسند أحمد:428/5)

اسی طرح غرور کرنے اور اترانے سے منع کیا کیونکہ انسان کی تباہی میں اس کا بہت بڑا عمل دخل ہے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ، شُحٌّ مُطَاعٌ، وَهَوًى مُتَّبَعٌ، وَ إِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ»

”تین چیزیں تباہ کرنے والی ہیں: ایسا بخل جو حقوق وفرائض سے غافل کر دے، اندھا کر دینے والی خواہشات اور عجب (خود پسندی) کا شکار ہونا۔“ (السلسلة الصحيحة للألباني، حديث:1802)

اس کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ کوئی آدمی اپنے مال، عبادت، قوت و طاقت، عزت وشرف اور محنت سے ہرگز دھوکا نہ کھائے۔ اسی سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«لَنْ يُنْجِيَ أَحَدًا مِنكُمْ عَمَلُهُ، قَالَ رَجُلٌ: وَلَا إِيَّاكَ؟ يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ: وَلَا إِيَّايَ، إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللهُ مِنْهُ بِرَحْمَةٍ»

”تم میں سے کسی کو محض اس کا عمل نجات نہیں دے سکتا۔“ ایک آدمی نے عرض کیا: آپ کو بھی نہیں، اللہ کے رسول؟! فرمایا: ”مجھے بھی نہیں، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت کے سائے میں لے لے۔“ (صحيح مسلم، صفة القيامة، حديث:2816)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سستی کو ناپسند کرتے اور اس سے اللہ کی پناہ طلب کرتے تھے، فرماتے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسْلِ وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ وَالْبُخْلِ»

”اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں بے بسی سے، سستی سے، بزدلی سے، بڑھاپے اور بخل سے۔“ (صحيح مسلم، صفة القيامة، حديث:2706)

سب سے اہم بات جو اسلام نے انسانی معاشروں کو دی وہ وقت کی قدر و قیمت کا احساس اور اس کی درجہ بندی ہے۔ اسلام دن کو کام کاج اور رات کو آرام وسکون کا وقت قرار دیتا ہے۔ اوقات سے فائدہ اٹھانے اور انھیں ضائع نہ کرنے کا درس دیتا ہے۔ نمازوں کے اوقات کار کی تقسیم اور ہر نماز کے وقت کی تحدید بتاتی ہے کہ اسلام وقت کے حوالے سے کس قدر محتاط ہے کیونکہ وقت ہی زندگی ہے۔ اسلام نے دن اور اس سے متعلقہ کاموں کی تقسیم اس انداز سے کی ہے کہ عبادات، کام کاج اور جسم ہر ایک کو اس کا حق مل جائے۔ ہر ذی شعور اور عقل و بصیرت رکھنے والا یہ جانتا ہے کہ ان قوانین اور اخلاقی ضابطوں نے، جو رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں تشکیل پائے یا آپ کی سیرت طیبہ سے اخذ کیے گئے، طبقاتی ہم آہنگی اور رابطے میں اہم کردار ادا کیا، نیز اس سے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور دین اسلام کی محبت لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہوئی۔

پھر اس کی تاثیر اسی دور تک محدود نہیں رہی بلکہ اس کے فیوض و برکات اس امت اور انسانیت میں ابھی تک چلے آ رہے ہیں۔

ریاستِ مدینہ
تاسیس وارتقاء

اس کتاب میں جمع کردہ جواہرات احادیث و سیرت کی کتابوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ جب میں سیرت کے موضوع پر اپنی تالیف ''رسول اللہ و خاتم النبیین'' مرتب کر رہا تھا تو اس دوران انھیں لکھتا رہا۔ اسی طرح کئی کانفرنسوں میں اس موضوع پر لیکچر دینے کا موقع بھی ملا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ ان بکھرے ہوئے اوراق کو یکجا کر دیا جائے۔ چنانچہ میں نے اسے ایک مستقل عنوان ''بناء المجتمع المدنی و تنمیته فی السیرة النبویة'' کے تحت جمع کر دیا۔ اس کتاب کو مرتب کرنے کا مقصد عصر حاضر کے اہل علم اور مختلف تہذیبوں کے رمز شناسوں کو یہ باور کرانا ہے کہ محمد مصطفی ﷺ نے ہر دور کی معاشرتی ضرورتوں کو نہ صرف پورا کر دیا ہے بلکہ ایک آزاد، باشعور، باعزت اور عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ قائم کرنے کے ایسے زریں اصول وضع فرمائے کہ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی ان کو اپنانے پر مجبور ہو گئے۔

دارُالسّلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
DARUSSALAM